سب سے منفرد اور کثیر الاشاعت • خواتین اسلام کا پسندیدہ رسالہ

ماہنامہ

بناتِ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

کراچی

300

ایک کہانی

طوفانُ الأقصیٰ

کیا کھویا؟ کیا پایا؟

مسلمانوں کی زمین کا دفاع کرنا

جہاد فی سبیل اللہ ہے

سادہ طرزِ زندگی

ماہنامہ

بناتِ عائشہ رضی اللہ عنہا

کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جلد ۲۶ شمارہ ۰۵

جمادِیُ الاوّل ۱۴۴۷ھ، نومبر 2025ء

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

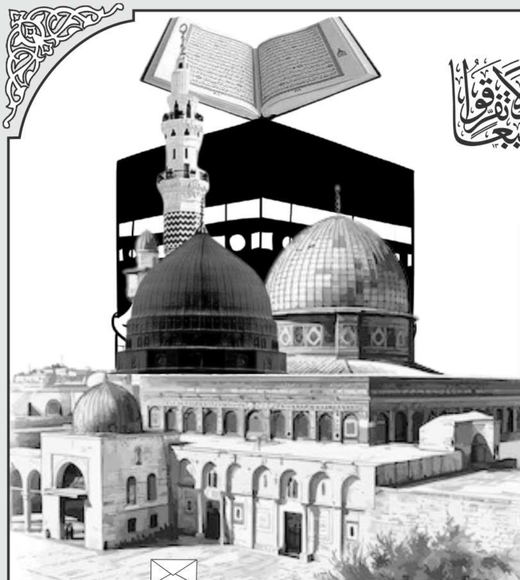

زرتعاون فی شمارہ

120/= روپے

سالانہ تعاون

پاکستان ——— ۱۴۴۰ روپے

یورپ ——— ۴۰ ڈالر

امریکہ/افریقہ —— ۶۰ ڈالر

عرب ممالک —— ۳۵ ڈالر

بھارت ——— ۳۰ ڈالر

صرف مضامین وخطوط کیلئے

i.maqsood313@yahoo.com

ترسیل اور حصول رسالہ کیلئے: مکتبہ ابن مبارکؒ ۳۷ حق سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

پبلشر حافظ طاہر حمید پرنٹر رئیس الرحمٰن الجنت پرنٹنگ پریس کراچی مقام اشاعت ۱۲ ڈاڈی مینشن ریگل چوک کراچی

نیکی کی راہوں پر بنات عائشہؓ کی ہم قدم بن جائیں

الحمدللہ !

✭...... ماہنامہ ''بناتِ عائشہؓ'' کی مسلسل اشاعت کا 25 واں سال چل رہا ہے۔

✭...... ماہنامہ ''بناتِ عائشہؓ'' ہر اسلامی مہینے کے آغاز میں آپ تک خوبصورت اور دل نشین انداز میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی اطاعت اور دینِ اسلام کی تعلیمات کا پیغام پہنچاتا ہے۔

✭...... ماہنامہ ''بناتِ عائشہؓ'' راہِ حق کے فدائیوں، اسلام کے جانثاروں اور دنیا بھر کے مظلوم مسلمانوں کی آواز آپ تک پہنچاتا ہے۔

✭...... ماہنامہ ''بناتِ عائشہؓ'' کے صفحات پر آپ تفسیر قرآن، احادیث نبوی، دینی مسائل، عبرت و نصیحت پر مبنی واقعات اور شرم وحیاء کے جذبات، سب کچھ انتہائی مستند، دلچسپ اور مؤثر شکل میں پڑھ سکتی ہیں۔

✭...... ماہنامہ ''بناتِ عائشہؓ'' ہر باطل کے خلاف ایک بے لوث، رضا کار اور ہر فسق و فجور کے مقابلے میں ایک نڈر سپاہی کا کردار ادا کرتا ہے۔ یہ لادینی اور بے حیائی کے دور میں مسلمان بہنوں کی حفاظت کا مضبوط قلعہ ہے۔

✭...... ماہنامہ ''بناتِ عائشہؓ'' ہر مسلمان گھرانے کی لازمی ضرورت اور ہر مسلم فرد کیلئے انتہائی مفید ہے۔

❊ ماہنامہ ''بناتِ عائشہؓ'' خود پڑھیں۔
❊ دوسروں کو اس کے مطالعہ کی ترغیب دیں اور اپنے حلقۂ احباب میں بطور تحفہ اسے پیش کریں۔
❊ یقیناً یہ ایک عظیم دینی دعوت اور بہت بڑی سعادت ہوگی

اگر آپ ماہنامہ ''بناتِ عائشہؓ'' کے پیغام سے متفق اور اس کے اسلوب سے مطمئن ہیں تو...... آئیں! آگے بڑھیں اور اس کو ہر مسلمان گھرانے تک پہنچانے میں ہمارا ساتھ دیں۔

حمد باری تعالیٰ

حمد لکھوں میں تری ایسی سعادت دی ہے
جان دے دوں میں رہِ حق میں وہ ہمت دی ہے
اپنے گھر کی مجھے توفیق زیارت دی ہے
اپنے احکام بجالانے کی طاقت دی ہے
چاند کو خنکی تو سورج کو تمازت دی ہے
غنچوں کو تو نے چٹک پھول کو نکہت دی ہے
مجھ کو دنیا کے جھمیلوں سے فراغت دے کر
اپنے محبوب کی اس دل میں محبت دی ہے

ہدیہ عقیدت بحضور سرورِ کائنات ﷺ

پھر پیش نظر گنبد خضرا ہے حرم ہے
پھر نامِ خدا، روضۂ جنت میں قدم ہے
پھر شکرِ خدا کہ سامنے محراب نبی ہے
پھر سر ہے مرا اور ترا نقشِ قدم ہے
محراب نبی ہے کہ کوئی طور تجلی
دل شوق سے لبریز ہے اور آنکھ بھی نم ہے
پھر منتِ دربان کا اعزاز ملا ہے
اب ڈر ہے کسی کا، نہ کسی چیز کا غم ہے
پھر بارگہ سید کونین میں پہنچا
یہ ان کا کرم ان کا کرم ان کا کرم ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ ﷻ کے اسمائے مبارکہ

البر

نہایت احسان کرنے والا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رسولِ اکرم ﷺ کے اسمائِ مبارکہ

حفی

باخبر

اس شمارے میں

10 — اداریہ — محمد منصور احمد

15 — ایک کہانی — امیر المجاہدین حضرت اقدس مولانا محمد مسعود ازہر

21 — آسان سیرت سرورِ کونین — محمد منصور احمد

61 — غزہ کا رنگ — ام احسن

66 — سادہ طرزِ زندگی — بنت سلیم

77 — طوفان الاقصیٰ — ام عفراء

88 مسجد اقصیٰ — اخت سعد

94 غزہ کا جذبہ — بنت ارشد

98 مسلمانوں کی زمین کا دفاع کرنا جہاد فی سبیل اللہ ہے — محمد منصور احمد

124 حماس کا اعلان — اخت اطہر

129 مزاحمت — بنت ظہیر

133 دعاؤں کی قبولیت کے سنہرے واقعات — ام احمد عبد الرحمن

144 ایک فلسطینی بچے کی روداد الم — ادارہ

154 انس الشریف — انتخاب: بنت عبید

159 غزہ کا عقوبت خانہ — بنت مریم

164 تذکرہ دیارِ حبیب ﷺ — امام الزاہدین حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی

184 میرا ابا اور بچی خانہ — ام ہانی

جل جلالہ

کلامِ ہدایت

برائی میں بھی بھلائی کا پہلو

لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ط (النور۔ ۱۱)

''تم اس بات کو اپنے لیے بُرا نہ سمجھو، بلکہ یہ تمہارے لیے بہتر ہی بہتر ہے۔''

☆......اللہ تعالیٰ کی مہربانیاں ہم پر جاری وساری ہوتی ہیں اور ہمیں پتہ بھی نہیں چلتا۔

☆...... ہر برائی جو ہمیں پہنچتی ہے، اس میں بھی ہمارے لیے کوئی خیر ہوتی ہے، جو بعد میں ہمارے سامنے آتی ہے۔

☆......سورہ کہف (آیت :۷۱) میں جس کشتی کا تذکرہ ہے، اگر اس میں سوراخ کر کے اُسے عیب دار نہ بنایا جاتا تو بادشاہ وہ کشتی بھی چھین لیتا اور غریب ملّاح اپنے رزق کے وسیلے سے محروم ہو جاتے۔

☆......سورہ کہف (آیت : ۷۴) میں جس لڑکے کا ذکر ہے، اگر وہ قتل نہ ہوتا تو خود بھی نافرمان ہوتا اور اپنے والدین کو بھی نافرمانی میں ڈال دیتا۔

☆...... یہاں تک کہ دیوار (سورہ کہف، آیت : ۷۷) اگر سیدھی نہ کی جاتی تو دو یتیم بچوں کا حق ضائع ہو جاتا۔

☆......اللہ تعالی پر یقین رکھیں...... بھلائی والے رب جل شانہ کی طرف بھلائی ہی نصیب ہوگی۔

صلی اللہ علیہ وسلم

کلامِ ہادئ عالم

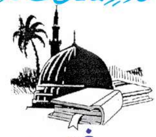

زبان بھی تیز دھار زخمی کرنے والا آلہ ہے!

أَمْسِكْ بِنِصَالِهَا۔ (صحیح بخاری:451)

"ان کی نوکوں کو قابو میں رکھو!"

☆...ایک آدمی مسجد کے پاس سے گذرا، اس کے پاس تیر تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا: ان کی نوکوں کو قابو میں رکھو!

☆...نبوت کی تعلیم یہ ہے کہ ہر تیز دھار آلہ جو کسی کو زخمی کر سکتا ہے اس کی نوک اور دھار کو قابو میں رکھنا ضروری ہے تا کہ کسی کو تکلیف نہ ہو، ☆...اس سے بڑھ کر ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ زبان بھی تیز دھار زخمی کرنے والا آلہ ہے! اور اس سے لگنے والا زخم کبھی کبھی تیر اور نیزے کے زخموں سے بھی زیادہ سخت ہوتا ہے، ☆...کیونکہ تیر اور نیزے کا زخم جلد ہی بھر جاتا ہے اور ٹھیک ہو جاتا ہے، لیکن زبان کا لگایا ہوا زخم ہمیشہ رستا رہتا ہے، جس کی تکلیف دل میں محسوس ہوتی ہے، ☆...ابھی تک آپ کی اولاد کیوں نہیں ہوئی؟! یہ سوال ہے یا طعنہ؟! ☆...آپ نے ابھی تک شادی کیوں نہیں کی؟! یہ استفہام ہے یا مکا؟! ☆...آپ اپنے گھر کا فرنیچر تبدیل کیوں نہیں کرتے؟! یہ گھر والوں سے ہمدردی ہے یا ان کے صبر کا امتحان؟! ☆...آپ نئے کپڑے کیوں نہیں لیتے؟! کیا یہ محبت ہے یا غصہ دلانے کی کوشش؟! ☆...طعنوں کی بہت سی قسمیں ہیں، بے وقوفی کے سوال بھی ان میں سے ایک ہے!

شرم و حیا

آپ کا قیمتی سرمایہ

اداریہ

قرآن مجید نے ہمیں کئی عظیم خواتین کے واقعات سنائے ہیں ۔ یہ واقعات اپنے اندر اسباق کی پوری دنیا سموئے ہوئے ہیں ۔ ظاہر ہے کہ قرآن مجید کوئی قصے ، کہانیوں کی کتاب نہیں کہ وہ صرف ہماری دلچسپی کیلئے واقعات سنا کر آگے گزر جائے ۔ اس لیے جب بھی قرآن مجید کا بیان کردہ کوئی واقعہ پڑھیں یا سنیں تو فوراً اُس کی تہہ

میں جانا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ کتاب لاریب ہمیں اس واقعہ کے ذریعے کیا پیغام دینا چاہ رہی ہے۔

قرآن مجید نے جن خواتین کے واقعات ذکر کیے ہیں، اُن میں سے ایک واقعہ ان دو(۲) باحیا خواتین کا ہے جو ''مدین'' نامی علاقے کے کنویں پر اپنے جانوروں کو پانی پلانے کیلئے کھڑی تھیں لیکن چونکہ کنویں پر مردوں کا رش تھا، اس لیے وہ اپنے جانوروں کے ساتھ ایک طرف انتظار کر رہی تھیں کہ بھیڑ چھٹے اور مردوں کا رش ختم ہو جائے تو وہ اپنے پردے کی حفاظت کے ساتھ یہ کام نمٹا لیں۔

اللہ تعالیٰ کی شان دیکھیں کہ جلیل القدر پیغمبر سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام، فرعون کے سپاہیوں سے بچتے بچاتے اسی دوران ''مدین'' کے کنویں پر پہنچ جاتے ہیں اور وہ جب اس طرح مردوں کو کنویں پر قبضہ جمائے اور خواتین کو ایک طرف بے بس کھڑا دیکھتے ہیں تو اُن کی پیغمبرانہ حمیت اور غیرت اُنہیں مجبور کر دیتی ہے کہ وہ ان خواتین سے پوچھ لیتے ہیں کہ تم یہاں کیوں کھڑی ہو؟

وہ دونوں خواتین بڑے بلیغ انداز سے بتاتی ہیں کہ مردوں کے رش کی وجہ سے ہم اُن کے اندر نہیں گھس سکتیں۔ ہمیں اپنا پردہ، اپنی حیاء اور اپنا ایمان عزیز ہے، اس لیے جب یہ لوگ اپنے جانوروں کو لے کر یہاں سے واپس پلٹ جائیں گے، تب ہی ہم اپنے جانوروں کو پانی پلا سکیں گی۔

اور ہاں آپ یہ نہ پوچھ لیں کہ گھر کا کوئی مرد یہ کام کیوں نہیں کر لیتا ہم پہلے ہی آپ

کو بتا دیتی ہیں کہ "وابونا شیخ کبیر" ہمارے گھر میں صرف ہمارے والد صاحب ہیں اور وہ بہت بوڑھے ہیں۔ بڑھاپے کی وجہ سے اب وہ خود بکریوں کو نہیں سنبھال سکتے، اسی لیے ہمیں مجبوراً گھر سے نکلنا پڑا۔

سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اپنی پریشانی کم نہ تھی۔ اجنبی لوگ، پردیس کا علاقہ اور آگے کا کچھ پتہ نہیں۔ نہ کوئی جان پہچان اور نہ ہی کوئی ٹھکانہ لیکن ایسے حالات میں بھی دل نیکی کے جذبات سے معمور اور دوسروں کے کام آنے کیلئے ہمہ وقت آمادہ اور تیار۔ انہوں نے خواتین سے اُن کی بکریاں لیں اور جلدی جلدی ان کو پانی پلا کر واپس لے آئے اور خواتین کے حوالے کر دیں۔ پھر خود ایک سائے کے نیچے آکر بیٹھ گئے اور دل کی گہرائیوں سے یہ مختصر لیکن انتہائی مؤثر اور جامع دعا مانگی:

رب انی لما انزلت الی من خیر فقیر

(اے میرے رب! آپ مجھے جو بھی خیر اور بھلائی عطا فرمائیں گے، میں اُس کا بہت ہی محتاج ہوں)

اِدھر جب دونوں خواتین وقت سے پہلے ہی جانور لے کر گھر پہنچ گئیں تو بوڑھے والد نے حیرانی سے پوچھا کہ آج اتنی جلدی کیسے واپسی ہوگئی؟ بیٹیوں نے اپنے ابا جان کو اُس شریف اور غیرت مند مسافر کی داستان سنائی جس نے آج ان کی بکریوں کو بغیر کسی لالچ کے خود ہی پانی پلا کر ان کے حوالے کر دیا تھا تاکہ یہ دونوں مشقت اور تکلیف سے بچ جائیں۔

بوڑھے والد جو زندگی کا ایک بڑا حصہ گزار کر تجربات کی بھٹی میں کندن ہو چکے تھے، وہ سمجھ گئے کہ لازمی طور پر یہ کوئی غریب الوطن، پردیسی مسافر ہے، نجانے اس کے پاس کوئی ٹھکانہ ہے یا نہیں اور کھانے کا کوئی انتظام ہے یا نہیں؟ انہوں نے اپنی ایک بیٹی کو بھیجا کہ جاؤ اور دیکھو کہ اگر وہ شریف النفس انسان اب بھی وہیں ہے تو اُس کو بلا کر لے آؤ تاکہ اُس کے احسان کا کچھ بدلہ چکایا جا سکے۔

وہ نیک اور باحیا خاتون سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لینے کیلئے اپنے گھر سے نکلیں۔ ان کی چال ایسی تھی کہ قدم قدم پر اُس سے شرم و حیاء ٹپک رہی تھی۔ وہ انداز ایسا تھا جو واقعی کسی شریف زادی کی شان کے مناسب تھا۔ اس چال میں بے باکی یا بے حیائی نہ تھی، وہ تو سراسر شرافت اور پاک بازی والی چال تھی۔ اسی لیے تو اس خاتون کی وہ شریفانہ اور حیا پر مبنی چال رب کریم جل شانہ کی نظروں میں ایسی پسندیدہ ٹھہری کہ قیامت تک کیلئے اُس کی منظر کشی کو قرآن مجید کا حصہ بنا دیا گیا:

فجاءته احدهما تمشی علی استحیاء (القصص۔ ۲۵)

(پھر دونوں خواتین میں سے ایک موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں، ایسی چال چلتی، جس سے حیا ٹپک رہی تھی)۔

پھر کیا ہوا؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا گزری اور وہ کتنا عرصہ مزید ''مدین'' میں رہے، یہ ایک طویل داستان ہے۔ یہاں پوری داستان لکھنا مقصد نہیں بلکہ مسلمان ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کو اس واقعہ کے تناظر میں صرف اتنا بتانا مقصد ہے کہ

شرم وحیاء اُن کیلئے کتنا قیمتی گوہر ہے، شرافت اور پاک بازی اُن کا کتنا عظیم سرمایہ ہے اور قلب ونظر کی حفاظت کتنی عظیم صفت ہے۔

جب مسلمان خاتون اپنے گھر کو اپنی جنت سمجھے، اپنے گھر سے بلاضرورت باہر نہ نکلے اور جب سخت مجبوری میں نکلنا پڑے تو مردوں کے ہجوم سے بالکل کنارہ کش اور الگ رہے۔ چاہے اس کیلئے اُسے وقت اور آرام کی کچھ قربانی بھی دینی پڑے اور پھر جب چلے تو بے باکانہ چال نہ ہو، قدم قدم سے غیرت، حمیت اور شرافت کا اظہار ہو تو ایسی چال بھی اللہ تعالیٰ کی نظر میں محبوب اور قابلِ تعریف ہے۔

آج ہمارے تعلیمی نظام سے لے کر رسائل و جرائد تک اور گھروں سے لے کر بازاروں تک یہ شیطانی محنت ہو رہی ہے کہ کسی طرح مسلمان خاتون اپنے اس قیمتی جوہر سے محروم ہو جائے اور جب کسی مسلمان عورت سے یہ خوبی چھن گئی تو پھر گناہوں کی دلدل اور دوزخ کی پستیوں میں گرتے اُسے زیادہ دیر نہیں لگتی۔

اس لیے اگر ہم اپنے گھر اور اپنے معاشرے کو پاکیزہ دیکھنا چاہتے ہیں تو خود بھی ان قرآن اور نبوی ہدایات کی پابندی کریں اور اپنی اولادوں کو بھی محبت اور پیار سے' بچپن کی عمر سے ہی ان کا عادی بنائیں۔

اللہ کریم ہمارے لیے آسانیاں اور کامیابیاں مقدر فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

والسلام

محمد منصور احمد عفا اللہ عنہ

حضرت امیر المجاہدین مولانا محمد مسعود ازہر حفظہ اللہ تعالیٰ

ایک کہانی

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا ’’شکر گذار‘‘ بندہ بنائے...... آج کچھ ہلکی پھلکی باتیں...... ایک کہانی اور اس سے حاصل ہونے والے دو تجزیے

آنسو سے مٹھائی تک

ایک صاحب شدید مالی تنگی کا شکار تھے...... کھانا پینا تو خیر پورا ہو جاتا تھا مگر رہائش کی سخت پریشانی تھی...... وہ ایک اللہ والے بزرگ سے عقیدت رکھتے تھے......

حالات سے تنگ ہو کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے...... اور عرض کیا کہ حضرت! بہت تکلیف ہے، بہت پریشانی ہے...... بس ایک کمرے کا گھر ہے...... اس میں خود بھی رہتا ہوں میری بیوی اور چار بچے بھی ساتھ ہیں...... بوڑھی والدہ اور دو بہنیں بھی ساتھ ہیں...... اور خاندان کی ایک بوڑھی رشتہ دار بیوہ خاتون بھی میرے زیر کفالت ہیں...... اتنے سارے افراد اور ایک کمرہ...... بہت سخت پریشانی ہے...... یہ کہتے ہوئے ان کے آنسو بار بار چھلک پڑے......

بزرگوں نے گردن جھکائی، غور کیا اور فرمایا...... تمہارا مسئلہ حل ہو جائے گا...... ایک مرغا لے آؤ...... اور اسے بھی اپنے کمرے میں ساتھ رکھ لو...... وہ صاحب خوشی خوشی گئے...... مرغا لیا اور اسے بھی کمرے میں رکھ لیا...... ایک ہفتے بعد بزرگوں کے پاس حاضر ہوئے تو پہلے سے زیادہ غمزدہ اور دکھی تھے......

حضرت! مسئلہ بالکل حل نہیں ہوا...... بلکہ اب تو اور بڑھ گیا ہے...... مرغا شور مچاتا ہے، گندگی پھیلاتا ہے...... بزرگوں نے گردن جھکائی، تھوڑا سا سوچا اور فرمایا...... اب میں سمجھا...... تمہارا مسئلہ تھوڑا بڑا ہے...... تم ایک بکرا لے آؤ...... اور اسے بھی ساتھ رکھو...... اور ایک ہفتے بعد اطلاع دو...... ہفتے بعد وہ صاحب آئے تو پریشانی سے کانپ رہے تھے......

یا حضرت! مسئلہ اور گھمبیر ہو گیا ہے...... بکرا پیشاب بھی کر دیتا ہے اور نیند بھی ٹھیک نہیں کرنے دیتا...... بزرگوں نے غور کیا اور فرمایا...... اچھا اچھا اب سمجھا تمہارا مسئلہ کیا

ہے...... تم ایسا کرو کہ ایک گدھا لے آؤ اور اسے بھی ساتھ رکھو...... اور ہفتے بعد اطلاع کرو...... ایک ہفتے بعد وہ صاحب آئے تو...... لگتا تھا کہ...... غم اور پریشانی سے ابھی وفات پا جائیں گے...... آنسو اُن کی آنکھوں سے برس رہے تھے...... اور وہ ادھ موئے ہو چکے تھے...... یا حضرت! اب تو زندگی سے تنگ ہو گیا ہوں...... گدھے نے تو جینا حرام کر دیا ہے......

بزرگوں نے فرمایا اچھا ایسا کرو کہ مرغا نکال دو...... اور ہفتے بعد اطلاع کرو...... وہ صاحب ہفتے بعد آئے اور کہنے لگے حالات میں تھوڑی سی بہتری ہو گئی ہے...... بزرگوں نے کہا...... اچھا اب بکرا بھی نکال دو...... اور ہفتے بعد اطلاع کرو...... ہفتے بعد انہوں نے آ کر بتایا کہ حالات پہلے سے کافی بہتر ہیں......

فرمایا اب گدھا بھی نکال دو اور ہفتے بعد اطلاع کرو...... ہفتے بعد وہ صاحب آئے تو ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبہ تھا...... چہرے پر مسکراہٹ اور انگ انگ میں خوشی...... یا حضرت! مسئلہ بالکل حل ہو گیا ہے...... اب اپنا کمرہ بنگلہ لگتا ہے...... سب گھر والے خوش ہیں...... سب کھلے کھلے رہتے ہیں اور کمرہ...... بالکل پاک صاف ہے...... اسی خوشی میں مٹھائی لایا ہوں...... قبول فرمائیے......

وہ صاحب مٹھائی دے کر چلے گئے تو بزرگوں نے فرمایا کہ...... اب اس کی گاڑی کامیابی والی سڑک پر آ گئی ہے...... اب یہ ہر دن...... مزید راحت اور ترقی پائے گا ان شاء اللہ۔

وہ صاحب جب پہلی بار بزرگوں کے پاس آئے تھے تو وہ رو رہے تھے...... اور آخری بار جب آئے تو خوش تھے...... حالانکہ وہی کمرہ تھا اور وہی افراد...... کچھ بھی اضافہ نہ ہوا تھا...... آنسو سے مٹھائی تک کا یہ سفر...... شکوے سے شکر تک کا یہ سفر...... بظاہر بہت چھوٹا ہے مگر حقیقت میں یہ...... زمین سے آسمان تک کے سفر سے بھی زیادہ بڑا ہے...... وہ صاحب آئے تھے تو بزرگوں نے سمجھ لیا کہ...... اُن کی رزق میں تنگی کا بڑا سبب...... ان کی ناشکری اور بے صبری ہے...... یہ اگر ناشکری چھوڑ دیں تو ان کی روزی کے تمام دروازے کھل جائیں گے...... چنانچہ بزرگوں نے ان پر پہلے سخت بوجھ لادا پھر یہ بوجھ ہلکا کیا تو...... ان کی حالت بدل گئی......

اپنی بیماری میں کراہنے والا کوئی شخص...... ہسپتال کے ایمرجنسی یا کیجولٹی وارڈ میں چلا جائے تو واپسی پر وہ شکر ادا کرتے ہوئے نکلتا ہے......

شیطان کا ایک نام ''کفور'' ہے...... بہت بڑا ناشکرا...... اور یہی ''ناشکری'' شیطان کے ہتھیاروں میں سے ایک مہلک ہتھیار ہے...... شیطان سارا دن اور ساری رات ناشکری بانٹتا ہے...... آپ کے پاس جو سواری ہے...... آپ کو اس سے اچھی سواری کی لالچ میں ڈال دے گا...... تب اپنی سواری حقیر نظر آئے گی تو ضرور ناشکری ہوگی...... اور جب ناشکری ہوگی تو پھر برکت ضرور اٹھ جائے گی...... اس لئے ضروری ہے کہ...... ہم شیطان کے اس وار کو سمجھیں...... اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو کچھ عطاء فرمایا ہے...... اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں...... اور اپنے دل کو اس نعمت پر راضی کریں...... آج مسلمانوں میں جو ہر طرف

رزق کی تنگی اور بے برکتی پھیلی ہوئی ہے...... اس کا ایک بڑا سبب...... یہی ناشکری ہے اس ناشکری سے ہم سب توبہ کریں...... اور اللہ تعالیٰ سے دعاء مانگا کریں

اَللّٰهُمَّ رَضِّنِیْ بِمَا قَضَیْتَ لِیْ

اَللّٰهُمَّ رَبِّ قَنِّعْنِیْ بِمَا رَزَقْتَنِیْ وَبَارِكْ لِیْ فِیْمَا اَعْطَیْتَنِیْ

یا اللہ مجھے جو عطاء فرمایا ہے...... اسی پر مجھے خوشی اور قناعت عطاء فرما دیجئے

رَضِیْتُ مَا اَعْطَانِیَ اللّٰهُ

میں اس پر راضی ہوں...... جو کچھ اللہ تعالیٰ نے مجھے عطاء فرمایا ہے...... میاں بیوی، اولاد، مکان، خوراک، کپڑے، صحت وغیرہ...... ان سب میں ہم شکرگذاری کے راستے کو اختیار کریں...... یہ ہے اس کہانی کا پہلا تجزیہ اور سبق......

دوسرا تجزیہ

مسلمانوں کے علاوہ...... دنیا کی جتنی حاکم قومیں گذری ہیں...... انہوں نے انسانیت کی بہت تذلیل کی ہے...... خصوصاً انگریزوں نے...... انہوں نے یہ طرز اختیار کیا کہ...... پہلے اپنے محکوم افراد پر...... بے انتہا بوجھ اور مشقت ڈال دیتے تھے...... اور پھر ان کو اپنا غلام اور احسان مند بنانے کے لئے...... تھوڑا تھوڑا بوجھ ہٹاتے تھے...... تب مشقت اور مصیبت میں پسے ہوئے انسان ...... اسی کو غنیمت سمجھ کر...... ان کے احسان مند ہو جاتے اور ان کی غلامی اختیار کر لیتے...... مثلاً پہلے دونوں ہاتھ بھی باندھ دیئے اور پاؤں بھی...... پھر کسی اندھیری جگہ ڈال دیا...... خوراک اور پانی بھی بند...... اب اس کے بعد کچھ روشنی دکھا دی...... کبھی دو

گھونٹ پانی دے دیا...... کبھی آدھی روٹی کھلا دی اور کبھی ایک ہاتھ کھول دیا...... اور اس احسان کے بدلے ان کی وفاداری خرید لی...... برصغیر پر چونکہ انگریزوں کی حکومت رہی...... اور انگریز اپنے پیچھے اپنا ہی نظام اور اپنی ہی سوچ چھوڑ کر گیا تو...... اب یہاں کے حکمران...... اسی طرزِ عمل پر کاربند ہیں...... یہ اپنی عوام پر...... ہر طرح کے گھوڑے، گدھے، بکرے اور مرغے لاد دیتے ہیں...... ایک ایک رات میں کرنسی کی قیمت دس دس فیصد گرا دیتے ہیں...... ایک منٹ میں مہنگائی کو دوگنا بڑھا دیتے ہیں...... اور پھر ایک پائی کی سہولت دے کر...... احسان جتلاتے ہیں...... اور اپنے کارنامے گنواتے ہیں...... اسی طرح یہ اپنی عوام پر بے حد سختیاں کرتے ہیں...... جیلیں راتوں رات بھر دیتے ہیں...... اور پھر ایک ایک فرد کو رہا کر کے...... اپنا احسان منواتے ہیں......

یہ ظالمانہ طرزِ حکومت...... مسلمانوں کو زیب نہیں دیتا...... اور یہ زیادہ عرصے چلتا بھی نہیں ہے...... اے مسلمان حکمرانو...... اپنی رعایا کو انسان سمجھو...... یہ حضرت آقا مدنی ﷺ کے امتی ہیں...... ان کی توہین نہ کرو...... ان کے ساتھ کھلواڑ نہ کرو...... تم انگریز سے نہیں...... حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے...... حکمرانی کا طریقہ سیکھو!

لا الہ الا اللہ، لا الہ الا اللہ، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اللھم صل علی سیدنا محمد والہ وصحبہ وبارک وسلم تسلیما کثیرا کثیرا

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

33

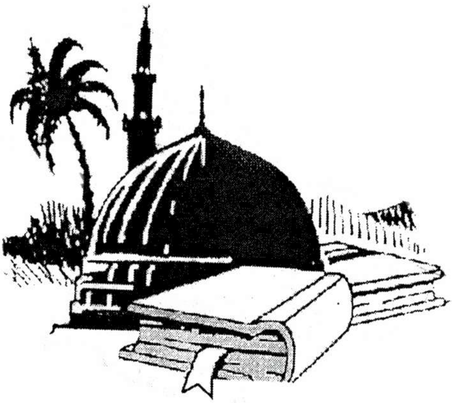

محمد منصور احمد

آسان سیرتِ سرورِ کونین ﷺ

اُردو زبان میں رحمت دو عالم ﷺ کی مکمل سیرتِ طیبہ، جس کی ہر سطر مستند اور باحوالہ ہے، الفاظ اور انداز اتنا آسان کہ معمولی پڑھا لکھا ہوا شخص بھی آسانی سے سمجھ سکے۔

پڑھیں اور چراغِ عشق مصطفےٰ ﷺ کی لَو تیز کریں

تبوک سے مدینہ طیبہ واپس آتے ہوئے مسلمان قوم ثمود کی بستی "حجر" سے گذرے، نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو ان کے ٹھکانوں سے روتے ہوئے گذرنے کا حکم فرمایا، آپ ﷺ نے اپنے سر مبارک کو ڈھانپ لیا اور سواری کو جلدی جلدی چلاتے ہوئے بستی سے نکل گئے (1419)، ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے لشکر کو حجر کا پانی پینے اور اس سے وضو کرنے سے منع کیا، اور اس پانی سے گوندھا گیا آٹا اونٹوں کو کھلانے کا حکم دیا (1420)۔ جب مسلمانوں نے اونٹوں کی تھکاوٹ اور سستی کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگی:

"اللهم احمل عليها في سبيلك انك تحمل على القوى و الضعيف، وعلى الرطب واليابس، في البر والبحر"

"اے اللہ! ان اونٹوں کو اپنی راہ میں چلتے رہنے کی ہمت دے، بے شک طاقتور اور کمزور کو، خشک اور تر کو خشکی اور سمندر میں تو ہی ہمت دیتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی دعا قبول فرمائی، اونٹ اس قدر چستی اور تیز رفتاری سے چلے کہ مسلمان مدینہ پہنچ گئے لیکن کسی اونٹ کی تھکاوٹ کی شکایت نہ ہوئی۔

(1421)

لشکر میں موجود منافقین نے نبی کریم ﷺ کے مویشیوں کو چرانے کی کوشش کی تاکہ گھاٹی کے کنارے سے رات کی تاریکی میں انہیں ایک طرف نکال دیں، انہوں نے

نقاب اوڑھ رکھے تھے تاکہ پہچانے نہ جائیں، آپ ﷺ ان کی سازش کو سمجھ گئے اور معاملے کی تہہ تک پہنچ گئے، آپ ﷺ نے انہیں لشکر سے نکال دینے کا حکم دیا یوں اللہ نے ان سے آپ ﷺ کی حفاظت فرمائی۔(1422)

جب اسلامی لشکر مدینہ طیبہ کے قریب پہنچا تو بچے اس کے استقبال کیلئے ثنیۃ الوداع تک آگئے(1423)، ان کے ساتھ عورتیں اور باندیاں بھی تھیں وہ سب مل کر یہ شعر پڑھ رہے تھے(1424)۔

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع

"ثنیات الوداع سے ایک چاند ہم پر طلوع ہوا، جب بھی کوئی پکارنے والا اللہ کیلئے پکارے تو ہم پر شکر کرنا واجب ہے۔"

مدینہ طیبہ داخل ہونے کے بعد سب سے نبی کریم ﷺ نے اپنی مسجد میں دو رکعت ادا فرمائیں، پھر آپ ﷺ لوگوں سے ملاقات کیلئے تشریف فرما ہوئے تو غزوہ سے پیچھے رہ جانے والے منافقین آکر طرح طرح کی مجبوریاں بیان کرنے لگے، آپ ﷺ نے بظاہر ان کی معذرت قبول کی اور ان کیلئے بھی استغفار کیا، لیکن دل کے معاملے کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا۔(1425)

غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد منافقین کے بارے میں دوٹوک موقف سامنے آیا، نبی کریم ﷺ نے ان کی مسجد ضرار میں نماز پڑھنے سے انکار کر دیا جو انہوں نے غزوہ سے

پہلے بنائی تھی، اور اس کو جلانے کا حکم فرمایا(1426)، اسی طرح ان کے جنازے پڑھانا بھی ترک کر دیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسی کا حکم فرمایا تھا:

وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَاسِقُونَ۔ (1427)

”اور (اے پیغمبر) ان (منافقین) میں سے جو کوئی مر جائے، تو تم اس پر کبھی نماز (جنازہ) مت پڑھنا، اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا یقین جانو یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کا رویہ اپنایا، اور اس حالت میں مرے ہیں کہ وہ نافرمان تھے۔“

اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بہانے قبول کرنے سے بھی منع فرمایا، اور قرآن کریم میں صاف لفظوں میں فرمایا:

يَعْتَذِرُونَ إِلَيْكُمْ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ قُل لَّا تَعْتَذِرُوا لَن نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّأَنَا اللَّهُ مِنْ أَخْبَارِكُمْ وَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ۔ (1428)

”(مسلمانو) جب تم لوگ (تبوک سے) واپس ان (منافقوں) کے پاس جاؤ گے، تو یہ تمہارے سامنے (طرح طرح کے) عذر پیش کریں گے۔ (اے پیغمبر) ان سے کہہ دینا کہ: تم عذر پیش نہ کرو ہم ہرگز تمہاری بات کا یقین نہیں کریں گے۔ اللہ نے ہمیں تمہارے حالات سے اچھی طرح باخبر کر دیا ہے۔ اور آئندہ اللہ بھی تمہارا طرزِ عمل دیکھے گا، اور اس کا رسول

بھی، پھر تمہیں لوٹا کر اس ذات کے سامنے پیش کیا جائے گا جس کو چھپی اور کھلی تمام باتوں کا پورا علم ہے، پھر وہ تمہیں بتائے گا کہ تم کیا کچھ کرتے رہے ہو۔"

اللہ تعالیٰ نے تاکید فرمائی کہ نہ ان کی باتوں کی تصدیق کریں نہ ان کی طرف توجہ دیں، انہیں گندگی قرار دیتے ہوئے فرمایا:

سَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوا عَنْهُمْ فَأَعْرِضُوا عَنْهُمْ إِنَّهُمْ رِجْسٌ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۔ يَحْلِفُونَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَى عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ۔ (1429)

"جب تم ان کے پاس واپس جاؤ گے تو یہ لوگ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے، تاکہ تم ان سے درگزر کرو۔ لہذا تم بھی ان سے درگزر کرلینا۔ یقین جانو یہ سراپا گندگی ہیں، اور جو کمائی یہ کرتے رہے ہیں، اس کے نتیجے میں ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ یہ تمہارے سامنے اس لیے قسمیں کھائیں گے تا کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ، حالانکہ اگر تم ان سے راضی ہو بھی گئے تو اللہ تو ایسے نافرمان لوگوں سے راضی نہیں ہوتا۔"

غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے

اس غزوہ سے پیچھے رہ جانے والوں کی تعداد کافی زیادہ تھی، چونکہ خود لشکر کے افراد کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی اس لیے ان لوگوں نے سمجھا کہ کسی کو ان کی غیر موجودگی کا پتہ نہیں چلے گا، ان میں تین انصاری صحابہ کرام کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع عمری اور ہلال بن

امیہ واقفی رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے جو پیچھے رہنے والوں میں سب سے زیادہ نمایاں اور مشہور تھے ، ان لوگوں کی اسلام کیلئے قربانیوں اور بہترین ایمان کی گواہیاں بھی موجود تھیں۔ (1430)

ان کے علاوہ تقریبا اسی سے زیادہ لوگ پیچھے رہ گئے تھے (1431)، واقدی نے ذکر کیا ہے کہ وہ انصار کے قبیلے کے منافقین تھے، اور بدھوؤں میں سے جھوٹے عذر بیان کرنے والے بیاسی آدمی تھے، جو بنی غفار اور دیگر قبائل کے لوگ تھے، عبداللہ بن ابی اور اس کے ہم قبیلہ پیروکار ایک بڑے گروہ کی صورت میں الگ موجود تھے، اور ان لوگوں کے علاوہ تھے جن کا ذکر گذر چکا ہے۔ (1432)

پیچھے رہ جانے والے تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اقرار کیا کہ غزوہ سے رہ جانے میں ان کا کوئی عذر نہیں تھا۔ نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو ان سے بات چیت سے منع فرما دیا، اور انہیں حکم دیا کہ اپنی بیویوں سے بھی دور رہیں (1433)، سب لوگوں نے پچاس دن تک ان کے ساتھ تعلق ختم کیے رکھا، اور حالت یہ تھی کہ زمین اپنی وسعت کے باوجود ان کیلئے تنگ ہوگئی (1434)، یہ قطع تعلقی اسی طرح جاری رہی یہاں تک کہ قرآن کریم نے ان کی توبہ کی قبولیت کا اعلان کیا:

وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَن لَّا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۔ (1435)

”اور ان تینوں پر بھی (اللہ نے رحمت کی نظر فرمائی ہے) جن کا فیصلہ ملتوی کر دیا گیا تھا، یہاں تک کہ جب ان پر یہ زمین اپنی ساری وسعتوں کے باوجود تنگ ہوگئی، ان کی زندگیاں ان پر دوبھر ہوگئیں، اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اللہ (کی پکڑ) سے خود اسی کی پناہ میں آئے بغیر کہیں اور پناہ نہیں مل سکتی، تو پھر اللہ نے ان پر رحم فرمایا، تاکہ وہ آئندہ اللہ ہی سے رجوع کیا کریں۔ یقین جانو اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔“

غزوہ تبوک میں اگرچہ عملی طور پر لڑائی کی نوبت نہیں آئی بہرحال اس مہم نے اسلامی حکومت کو مزید مستحکم اور مضبوط کر دیا، دورانِ مہم اور بعد میں ہونے والے معاہدوں اور نتائج وعواقب کی وجہ سے اسلامی سلطنت میں وسعت آئی، اس کے اثرات جزیزہ نما عرب کے شمالی علاقوں میں بھی پھیل گئے اور مسلمان کیلئے فتوحات کے دروازے کھل گئے، اسی سے عراق اور شام کے علاقوں میں فتوحات کی راہ یکساں طور پر ہموار ہوئی، جیش اسامہ کو شمالی علاقوں کی طرف حرکت کا موقع اگرچہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ملا، تاہم وفات سے پہلے رسول اللہ ﷺ کا اس لشکر کی تیاری کا حکم دینا اور اس کے رخ کو متعین فرمانا اسلامی دعوت اور فتوحات کے پھیلنے کی طرف ایک واضح اشارہ تھا۔

رسول اللہ ﷺ کی حکومت کے تحت جزیرہ عرب کا متحد ہونا

غزوہ تبوک میں پے در پے کامیابیوں کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ اور دعوتِ اسلام کے بارے میں عرب قبائل کے رویوں بڑی تبدیلی آئی، ان میں سب سے نمایاں قبیلہ قریش اور اس کے اتحادی تھے، ان لوگوں کی بڑی امیدیں سرخ وسفید رومیوں اور خاص کر

ان قبائل سے وابستہ تھیں جو جزیرہ عرب کے شمال میں سرحدی علاقوں کے قریب رہتے تھے لیکن فتح مکہ کے بعد قریش کے اسلام لانے ،معرکہ حنین میں ہوازن کا جاہ و جلال ختم ہونے جانے اور ثقیف کے محاصرے اور سرنگوں ہونے کی وجہ سے پہلی اور بنیادی رکاوٹ ہٹ گئی تو سب قومیں جلدی جلدی اسلام قبول کرنے لگیں، پھر غزوہ تبوک کے بعد اسلامی سلطنت کی رومی سرحدوں تک وسعت، ایلہ اور اذرح وغیرہ کے ساتھ معاہدوں، دومۃ الجندل کے ساتھ صلح کے ذریعے معاملات طے پانے اور جنوبی علاقوں میں نجرانی عیسائیوں کا جزیہ دینے پر رضامندی کی وجہ سے عرب قبائل کے پاس صرف ایک ہی راستہ بچا تھا کہ وہ اسلام کے سامنے گردن جھکا دیں اور پوری اطاعت اور فرمانبرداری کے ساتھ قافلہ نبوت میں شامل ہو جائیں۔ نبی کریم ﷺ کی تبوک سے واپسی کے بعد جزیرہ عرب کے اطراف و اکناف سے کثیر تعداد میں قبائل کی مدینہ طیبہ حاضری اور اسلام کا اعلان کرنے کی وجہ سے نو ہجری کو کتابوں میں" عام الوفود" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ ان وفود کی خبروں اور معلومات کو مختلف ابواب میں ترتیب سے ذکر کرنے کی وجہ سے محمد بن سعد کی طبقات کو اہم اور جامع ترین مصادر میں شمار کیا جاتا ہے ، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔(1436)

عام الوفود

تاریخ اور حدیث کی بہت سی کتب نو ہجری کی ابتدائی تاریخوں میں کچھ وفود کی مدینہ طیبہ حاضری کی طرف اشارہ کرتی ہیں ،شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ان وفود کی تعداد کے

بارے اختلاف پایا جاتا ہے، بعض حضرات کے نزدیک یہ تعداد ساٹھ سے زیادہ ہے، اور کچھ دوسرے حضرت کے مطابق یہ تعداد بڑھتے بڑھتے ایک سو بیس سے زائد ہو جاتی ہے۔ شاید کچھ لوگوں نے ان میں سے صرف مشہور وفود کا ہی ذکر کیا ہو (1437)، محمد بن اسحاق نے نقل کیا ہے کہ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبوک سے فارغ ہو گئے تو قبیلہ ثقیف نے اسلام قبول کیا اور بیعت کی، اور ہر طرف سے عرب وفود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ (1438)

تبوک سے واپسی کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آنے والا سب سے پہلا وفد قبیلہ ثقیف کا تھا، فتح مکہ کے بعد واپسی پر مدینہ طیبہ پہنچنے سے کچھ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر عروہ بن زبیر ثقفی رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کی طرف ہم پہلے بھی اشارہ کر چکے ہیں، وہاں ہم نے ذکر کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ اسلام کی دعوت لے کر اپنی قوم میں واپس جائیں، انہوں نے حکم کی تعمیل کی اور اپنے اسلام کا اعلان کر کے اپنی قوم کو اس کی طرف بلایا، لیکن وہ سب ان کے خلاف اکٹھے ہو گئے اور جس وقت وہ اپنے گھر کی چھت پر اذان دے رہے تھے ان کو تیر مار مار کے قتل کر دیا، پھر ثقیف کے سرداروں نے آپس میں مشورہ کیا تو یہ بات اچھی طرح سمجھ گئے کہ وہ ارد گرد کے تمام عرب قبائل سے جنگ نہیں کر سکتے جو اسلام کی بیعت کر چکے ہیں۔ آخر اتفاق رائے سے انہوں نے ایک وفد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا، وفد نے مدینہ پہنچنے کے بعد لات" طاغیہ" کو فورا منہدم کرنے کی کوشش کی جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھوڑ رکھا تھا، انہوں نے اصرار کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مغیرہ بن شعبہ اور ابوسفیان بن

حرب رضی اللہ عنہما کو اسے منہدم کرنے کیلئے بھیجیں، آپ ﷺ نے عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر بنایا جو قرآن کی تعلیم اور دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرنے کا سب سے زیادہ شوق رکھتے تھے۔(1439)

ابن اسحاق نے وفد ثقیف سمیت جو یالیل بن عمرو کی سربراہی میں تھا سترہ وفود کی معلومات مختلف ابواب میں ترتیب وار ذکر کی ہیں، ان معلومات میں وفود کے سرداران، اراکین، آمد، قیام، گفتگو، ان کے متعلق کہے گئے اشعار، انجامِ کار اور ان کے بارے نازل ہونے والی آیات کو ذکر کیا ہے۔

ابن سعد نے بھی ان وفود کی معلومات بڑی تفصیل سے ذکر کی ہیں، سب سے پہلے انہوں نے اراکین وفود کا تعارف کروایا، پھر ان میں سے صحبت یافتہ افراد اور ان سے منقول آثار کا ذکر کیا ہے۔ابن سعد کی کچھ اسانید طعن سے خالی نہیں، جیسا کہ ان میں کچھ اسانید ثقہ راویوں سے بھی منقول ہیں، بلاشبہ مورخین کی نقل کردہ روایات محدثین کے بااعتماد اور صحیح طریقہ کار کے موافق نہیں ہوتیں، اس کے باوجود ان وفود کے متعلق بہت ساری روایات صحیح اور ثابت شدہ ہیں، مثال کے طور پر سورہ حجرات میں بھی اشارہ ہے کہ وفد تمیم کے کچھ لوگوں سے ایسے اعمال صادر ہوئے جو دانشمندانہ نہیں تھے(1440)، جیسا کہ امام بخاری نے بھی وفدِ قبیلہ تمیم اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ان کی حاضری کے بارے معلومات ذکر کی ہیں(1441)، اس وفد کی معلومات ان روایات سے مزید قوی ہو جاتی ہیں جو تاریخ کے علاوہ سیرت اور مغازی کی کتابوں میں بھی ذکر کی گئی ہیں۔(1442)

امام بخاری نے وفد تمیم کے علاوہ دوسرے وفود کا ذکر بھی کیا ہے، مثلاً، وفد عبدالقیس (1443)، وفد بنی حنیفہ (1444)، وفد نجران (1445)، وفد اشعریین (1446)، وفد اہل یمن (1447)، وفد دوس (1448)، اور وفد بنی عامر (1449)۔

امام مسلم نے مذکورہ وفود میں سے اکثر کے بارے میں روایات ذکر کی ہیں (1450)، حدیث کی بقیہ چھ کتابوں میں بھی ان وفود سے متعلق وسیع معلومات موجود ہیں (1451)، ان تمام مصادر سے یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ وفود اپنے قبائل کے اسلام کا اعلان کرنے، اسلامی حکومت کے ساتھ ملنے اور اس کی تابعداری قبول کرنے کیلئے نو ہجری میں مدینہ طیبہ حاضر ہوئے، یہاں تک کہ عمومی طور پر پورا جزیرہ عرب نبی کریم ﷺ کی حکومت کے تحت متحد ہو گیا۔

وفود کی ان تفصیلی خبروں پر تاریخی نقد کی سخت ضرورت ہے جو ہم تک پہنچی ہیں، اسی طرح ان طویل قصیدوں پر بھی باریک ادبی نقد کی ضرورت ہے جن سے سیرت و مغازی اور تاریخ کی کتب بھری پڑی ہیں۔ نیز ان کی نسبت کی تحقیق بھی ضروری ہے۔

یہ بات تاریخی طور پر ثابت ہے کہ ہجرت کے نویں سال تک جزیرہ عرب کے تمام علاقوں میں اسلام کی بالادستی قائم ہو چکی تھی، کیونکہ تمام علاقے اسلام کے جھنڈے کے نیچے سیاسی طور پر متحد ہو چکے تھے، تمام تر دشواریوں اور رکاوٹوں، قسما قسم مشکلات، قبائلی اور جاہلی جھگڑوں، لوگوں کے انفرادی جذبات اور شخصی خودسری کے باوجود نبی کریم ﷺ دس سال سے کم عرصے میں جزیرہ عرب کے سیاسی اتحاد میں کامیاب ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے صرف

رسمی اور ظاہری اتحاد ہی قائم نہیں کیا تھا، بلکہ انسان کے طرزِ عمل اور اس کی روح اور عقل کے درمیان بے مثال ربط پیدا کیا جس نے اسلامی انقلاب اور آئندہ زمانوں میں اس کی برکات کے پھیلاؤ کیلئے مضبوط بنیاد فراہم کی۔

نبی کریم ﷺ کی وفات تک ہونے والے واقعات، اور مختلف اطراف میں بھیجے گئے وفود اور سرایا

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زیرِ امارت حج

ابھی ہم نے ذکر کیا کہ طائف کے محاصرے کے بعد نبی کریم ﷺ نے عمرہ ادا فرمایا تھا، آپ ﷺ نے جعرانہ سے احرام باندھا، اور عمرے کے بعد لشکر کے ساتھ مدینہ طیبہ واپس تشریف لائے، فتح مکہ کے سال مسلمانوں اور مشرکین نے ایک ساتھ حج کیا، نو ہجری کو آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو امیرِ حج مقرر کیا، آپ رضی اللہ عنہ ماہِ ذوالحجہ میں مکہ کی طرف روانہ ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بڑی تعداد ہمراہ تھی (1452)، جو اپنے ساتھ قربانی کے جانور بھی لے کر جا رہے تھے۔(1453)

جب حج کا قافلہ مدینہ سے نکل گیا تو سورۃ براءت نازل ہوئی، نبی کریم ﷺ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا تا کہ یوم النحر کو منی میں اس سورہ کے احکام لوگوں کو بتائیں (1454)، امیر حج کے ساتھ آپ رضی اللہ عنہما کی ملاقات راستے میں ہوئی، جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے مقصد کی نوعیت اچھی طرح سمجھ گئے تو دونوں حضرات مکہ کی طرف اکٹھے سفر کرنے لگے (1455)، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا

کہ وہ سورۃ براءت کے ابتدائی احکام مسلمانوں تک پہنچانے کے پابند ہیں، اور انہیں چار باتیں بتانے کیلئے بھیجا گیا ہے:

پہلی یہ کہ صرف اہلِ ایمان ہی جنت میں جائیں گے۔

دوسری یہ کہ آج کے بعد ننگا ہو کر بیت اللہ کا طواف کوئی نہیں کرسکتا۔

تیسری یہ کہ جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کوئی معاہدہ ہے تو وہ معاہدہ مدت پوری ہونے تک برقرار رہے گا۔

اور چوتھی یہ کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کر سکے گا۔(1456)

مہم کی کامیابی کیلئے کچھ اور صحابہ کو بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدد پر مامور کیا گیا، جن میں حضرت ابوہریرہ اور حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہما شامل تھے۔

(1457)

سورہ براءت کے ابتدائی حصے نے بت پرستوں اور ان کے پیروکاروں سے براءت کا اعلان کر دیا، کیونکہ اس میں ان کو حج سے روک کر ان کے خلاف اعلان جنگ کیا گیا تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

بَرَاءَةٌ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۔ فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ وَأَنَّ اللَّهَ مُخْزِي الْكَافِرِينَ ۔ وَأَذَانٌ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ أَنَّ اللَّهَ بَرِيءٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ وَرَسُولُهُ فَإِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ

فَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ وَبَشِّرِ الَّذِينَ كَفَرُوا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (1458)۔

”(مسلمانو) یہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے دستبرداری کا اعلان ہے ان تمام مشرکین کے خلاف جن سے تم نے معاہدہ کیا ہوا ہے۔لہٰذا (اے مشرکو) تمہیں چار مہینے تک اجازت ہے کہ تم (عرب کی) سرزمین میں آزادی سے گھومو پھرو، اور یہ بات جان رکھو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے، اور یہ بات بھی کہ اللہ اب کافروں کو رسوا کرنے والا ہے۔اور حج اکبر کے دن اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمام انسانوں کے لیے یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ اللہ بھی مشرکین سے دست بردار ہو چکا ہے، اور اس کا رسول بھی۔اب (اے مشرکو) اگر تم توبہ کرلو تو یہ تمہارے حق میں بہت بہتر ہوگا، اور اگر تم نے (اب بھی) منہ موڑے رکھا تو یاد رکھو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے، اور تمام کافروں کو ایک دکھ دینے والے عذاب کی خوشخبری سنا دو۔“

جن مشرکین کے ساتھ مسلمانوں کا کوئی معاہدہ چل رہا تھا ان کو مدت گذرنے تک مہلت دی گئی تھی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَى مُدَّتِهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ۔ (1459)

”البتہ (مسلمانو) جن مشرکین سے تم نے معاہدہ کیا، پھر ان لوگوں نے تمہارے

ساتھ عہد میں کوئی کوتاہی نہیں کی، اور تمہارے خلاف کسی کی مدد بھی نہیں کی، تو ان کے ساتھ کئے ہوئے معاہدے کی مدت کو پورا کرو۔ بیشک اللہ احتیاط کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

اسی طرح ان مشرکین کو بھی حرمت والے مہینے گذرنے تک مہلت دی گئی جن کے ساتھ مسلمانوں کا کوئی معاہدہ نہیں تھا، اس طور پر کہ ان مہینوں کے بعد انہیں مسلمانوں کی طرف سے جنگ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ۔ (1460)

"چنانچہ جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو ان مشرکین کو (جنہوں نے تمہارے ساتھ بدعہدی کی تھی) جہاں بھی پاؤ قتل کر ڈالو، اور انہیں پکڑو، انہیں گھیرو، اور انہیں پکڑنے کے لیے ہر گھات کی جگہ تاک لگا کر بیٹھو۔ ہاں اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔"

اسی کا نتیجہ تھا کہ دور کے علاقوں میں بڑے پیمانے پر بیداری شعور کی ایک مہم شروع ہوگئی جہاں اس کی ضرورت بھی تھی، بخاری و مسلم کی روایات سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے معاذ بن جبل اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کو ایک ہی سمت یمن کی طرف بھیجا (1461)، اور انہیں وصیت فرمائی کہ:

یسرا ولا تعسرا، وبشرا ولا تنفرا و تطاوعا۔(1462)

”لوگوں کیلئے آسانیاں کرنا، تنگی میں نہ ڈالنا، خوشخبریاں سنانا نفرت نہ دلانا اور ایک دوسرے کی اطاعت کرنا۔“

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھی یمن روانہ فرمایا بعد میں انہیں واپس بلا کر علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو ان کی جگہ بھیج دیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کام خمس وصول کرنا تھا، آپ رضی اللہ عنہ اپنی مہم میں کامیاب لوٹے اور قبیلہ ہمدان نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔(1463)

نبی کریم ﷺ نے ایک سو پچاس سواروں کا ایک لشکر روانہ فرمایا جن کی کمان جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھی، انہوں نے کعبہ یمانیہ میں ذالخلصہ نامی بت کو توڑا، اور جو لوگ وہاں موجود تھے انہیں قتل کیا، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کیلئے دعائے خیر فرمائی۔ (1464)

حجۃ الوداع

نبی کریم ﷺ نے فریضہ حج کی ادائیگی کا ارادہ ظاہر فرمایا، یہ واحد حج ہے جو آپ ﷺ نے مدینہ طیبہ ہجرت کے بعد ادا کیا(1465)، آپ ﷺ کی رفاقت اور پیروی میں حج کرنے کیلئے جزیرہ عرب کے مختلف علاقوں سے مسلمانوں کی بڑی تعداد مدینہ طیبہ پہنچ گئی۔ آپ ﷺ پچیس ذوالقعدہ دس ہجری کو مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے(1466)۔ یہ حج احکام و مناسک اور وصیتوں سے بھرپور تھا، علماء نے اس پر مستقل کتابیں لکھی ہیں(1467)، اور اس سے حج کے

بے شمار مسائل اخذ کیے جن سے فقہ و حدیث اور ان کی شروحات کی کتب بھری ہوئی ہیں (1468)، رسول للہ ﷺ کی خاص توجہ اور رہنمائی کی بدولت مسلمانوں نے حج کے احکام آپ ﷺ سے براہِ راست سیکھے، آپ نے ان سے فرمایا:

خذوا عنّی مناسککم۔

"مجھ سے حج کے احکام اور مسائل سیکھ لو۔"

جب آپ ﷺ عرفات میں وقوف فرما رہے تھے، تو یہ آیت نازل ہوئی:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ (1469)

"آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمت پوری کر دی، اور تمہارے لیے اسلام کو دین کے طور پر (ہمیشہ کے لیے) پسند کر لیا (لہٰذا اس دین کے احکام کی پوری پابندی کرو)۔"

عرفات کے دن حجاج کے سامنے خطبہ حجۃ الوداع میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إن دماءکم وأموالکم حرام علیکم، کحرمة یومکم هذا فی شهرکم هذا، فی بلدکم هذا، وانّکم ستلقون ربّکم فیسألکم عن أعمالکم، وقد بلغت فمن کانت عنده امانة فلیؤدها الی من ائتمنه علیها، و ان کل ربا موضوع، و اول ربا اضع، ربا عباس بن عبد المطلب

فانه موضوع کله، و ان کل دم فی الجاهلیة موضوع، وان اول دم اضع دم ابن ربیعة بن الحارث بن عبد المطلب۔

ایها الناس: اتقوا الله فی النساء، فإنکم أخذتموهن بأمانة الله، واستحللتم فروجهن بکلمة الله، ولکم علیهن أن لا یوطئن فرشکم أحدا تکرهونه، فإن فعلن ذلك فاضربوهن ضربا غیر مبرح، ولهن علیکم رزقهن و کسوتهن بالمعروف، وقد ترکت فیکم ما لن تضلوا بعده إن اعتصمتم به، کتاب الله، وأنتم تسألون عنی، فما أنتم قائلون؟» قالوا: نشهد أنك قد بلغت رسالات ربّك، وادیت، و نصحت لامتك، و قضیت الذی علیك، فقال ﷺ: اللهم، اشهد۔ (1470)

”تمہارا خون اور تمہارا مال ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہے جس طرح یہ آج کا دن یہ مہینہ اور یہ شہر حرمت والے ہیں، بہت جلد تم اپنے ربّ سے ملو گے تو وہ تم سے اعمال کے بارے میں پوچھے گا، میں نے پیغام پہنچا دیا جس کے پاس کوئی امانت ہو تو وہ اسے حق دار کو واپس کر دے، جاہلیت کے زمانہ کا ہر سود ختم کر دیا گیا ہے، میں سب سے پہلے اپنے چچا عباس بن عبد المطلب کا سود ختم کرتا ہوں، وہ سارے کا سارا معاف ہے، اور جاہلیت کے زمانہ کے خون بھی معاف ہیں، سب سے پہلے میں ابن ربیعہ بن حارث کا خون معاف کرتا ہوں۔

اے لوگو! عورتوں کے حقوق ادا کرنے میں اللہ سے ڈرو کیونکہ اللہ کی امانت کے

ساتھ انہیں حاصل کیا ہے اور تم نے اللہ کے حکم سے ان کی شرم گاہوں کو حلال سمجھا ہے اور تمہارے لئے ان پر یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستروں پر ایسے کسی آدمی کو نہ آئے دیں کہ جن کو تم ناپسند کرتے ہو اگر وہ اس طرح کریں تو تم انہیں مار سکتے ہو مگر ایسی مار کہ ان کو چوٹ نہ لگے اور ان عورتوں کا تم پر بھی حق ہے کہ تم انہیں حسب استطاعت کھانا پینا اور لباس دو اور میں تم میں ایک چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہیں ہو گے اور تم لوگ اللہ کی کتاب قرآن مجید کو مضبوطی سے پکڑے رکھنا اور تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا تو تم کیا کہو گے؟ انہوں نے کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ہمیں اللہ کے احکام کی تبلیغ کر دی اور آپ ﷺ نے اپنا فرض ادا کر دیا اور آپ ﷺ نے خیر خواہی کی یہ سن آپ ﷺ نے شہادت والی انگلی کو آسمان کی طرف بلند کرتے ہوئے اور لوگوں کی طرف منہ موڑتے ہوئے فرمایا اے اللہ! گواہ رہنا۔"

رسول اللہ ﷺ نے اگلا خطبہ مزدلفہ اور منی میں دیا، عرفات میں تاکید کے ساتھ بتایا کہ عرفہ سارے کا سارا وقوف کی جگہ ہے، مزدلفہ کی صبح قزح میں آپ ﷺ نے فرمایا:

هذا الموقف و كل المزدلفة موقف۔ (1471)

"یہ وقوف کی جگہ ہے، اور سارے مزدلفہ میں وقوف ہو سکتا ہے۔"

پھر جب منی میں قربانی کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

هذا المنحر و كل منى منحر۔

"یہ قربانی کی جگہ ہے اور سارے منی میں قربانی کی جا سکتی ہے۔"

منیٰ کے ایک خطبے میں فرمایا:

لاترجعوا من بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض۔(1472)

"میرے بعد کافروں والے کام نہ کرنا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔"

نبی کریم ﷺ نے اس طرح حج مکمل فرمایا کہ مسلمانوں کو حج کے اعمال کر کے دکھائے، اور انہیں وہ چیزیں سکھائیں جو اللہ نے حج میں لازم کی ہیں، جیسے وقوف، رمی جمار، بیت اللہ کا طواف، اور حج میں حلال وحرام چیزوں کی تفصیل وغیرہ، چنانچہ یہ ایک اطلاعاتی اور الوداعی حج تھا، کیونکہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے کوئی حج نہیں کیا۔(1473)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی یمن سے واپس آ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور آپ کے ساتھ حج کیا(1474)، کچھ سپاہیوں نے نبی کریم ﷺ سے شکایت کی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان ساتھ معاملات میں سختی کرتے ہیں، انہوں نے یمن میں آپ ﷺ کے نائب کی حیثیت سے ان لوگوں کے درمیان کپڑوں کے جوڑے تقسیم کیے لیکن پھر واپس لے لیے، اس پر نبی کریم ﷺ نے جحفہ کے قریب غدیر خم کے مقام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبے اور فضلیت کو ان کے سامنے واضح کیا تا کہ وہ شکوے اور شکایت سے رک جائیں(1475)۔آپ ﷺ نے فرمایا:

من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔(1476)

"جس کا میں آقا اور سردار ہوں علی بھی اس کے آقا اور سردار ہیں۔"

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی فلسطین کی طرف روانگی

نبی کریم ﷺ اور آپ کے ساتھ جانے والے مسلمان اور اہلِ موقف حجۃ الوداع کے بعد مدینہ طیبہ واپس تشریف لے آئے، ذوالحجہ دس ہجری کے باقی ایام اور گیارہ ہجری کے ماہِ محرم اور صفر آپ ﷺ نے مدینہ میں گذارے، اس دوران لوگوں کو شام کی طرف مہم جوئی کیلئے تیار کیا اور اپنے غلام اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر بنایا (1477)، آپ ﷺ نے حکم دیا کہ فلسطین کے علاقوں بلقاء اور داروم کی سرحدوں تک گھوڑوں کے پاؤں پہنچنے چاہییں، چنانچہ لوگوں نے تیاری شروع کر دی (1478)، آپ ﷺ نے تمام مہاجرین اور انصار کو اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکلنے کا حکم فرمایا، ان میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے (1479)، اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اٹھارہ سالہ نوجوان تھے، کچھ لوگوں نے ان کو امیر بنانے پر اعتراض کیا کہ وہ کم عمر اور غلام ہیں، لیکن نبی کریم ﷺ نے ان کی امارت پر کسی کے اعتراض کو قبول نہیں کیا اور ان کے ساتھ بھلائی کی وصیت کی (1480)۔

نبی کریم ﷺ کے زمانے میں اس لشکر کی روانگی مقدر نہ تھی، آپ ﷺ نے اسامہ رضی اللہ عنہ کیلئے جھنڈا تیار کروایا، جسے لے کر وہ جرف تک گئے اور تیاری کی تکمیل اور باقی سپاہیوں کے آنے اور فوج مکمل ہونے کا انتظار کرنے لگے (1481)، لیکن اس کے دو دن بعد نبی کریم ﷺ بیمار ہو گئے اور آپ ﷺ کی بیماری دس دن تک باقی رہی، جس کی وجہ سے لشکر کی روانگی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیعت ِ خلافت کے بعد تک موخر ہو گئی۔

(1482)

نبی کریم ﷺ کا وصال

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ ۔ (1483)

” (اے پیغمبر) موت تمہیں بھی آنی ہے اور موت انہیں بھی آنی ہے ۔“

نبی کریم ﷺ کی بیماری اس زہر کی وجہ سے تھی جو سات ہجری میں آپ ﷺ کو دیا گیا تھا، آپ نے فتح خیبر کے بعد بھونی ہوئی زہر آلود بکری کے گوشت کا ایک لقمہ تناول فرمالیا تھا، جو سلام بن مشکم یہودی کی بیوی نے آپ ﷺ کو پیش کیا تھا (1484)، باوجود یہ کہ آپ ﷺ نے وہ لقمہ نگلنے کی بجائے منہ سے نکال کر پھینک دیا تھا لیکن زہر کی شدت اور زیادتی کا اثر ہو کر رہا (1485)، حج سے مدینہ واپسی کے ڈھائی ماہ بعد، یکم ربیع الاوّل گیارہ ہجری کو آپ ﷺ نے آخری بیماری کی تکلیف محسوس فرمائی، اس وقت آپ ﷺ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر تھے (1486)، آپ ﷺ نے اپنی ازواج سے اجازت لی کہ بیماری کے ایام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر گذاریں (1487)، آپ ﷺ دس دن تک بیمار رہے ۔(1488)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا معوذتین اور نبی کریم ﷺ سے منقول دعائیں پڑھتیں اور ہاتھوں پر پھونک کر برکت کے حصول کیلئے آپ ﷺ کے جسم اطہر پھیرتیں ۔(1489)

بیماری کے پانچویں روز آپ ﷺ کا بخار تیز ہو گیا، آپ ﷺ نے اپنے اوپر

پانی بہانے کا حکم دیا، تا کہ بخار ہلکا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر نکل کر لوگوں کو کچھ وصیتیں کر سکیں، غسل کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہلکا پن محسوس کیا تو سر کو لپیٹ کر مسجد میں تشریف لے گئے اور منبر پر بیٹھ کر خطبہ دیا جس میں اپنی قبر کو عبادت گاہ بنانے سے منع فرمایا(1490)۔اور یہودیوں اور عیسائیوں پر لعنت کی کیونکہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا(1491)، اپنے آپ کو بدلے کیلئے پیش کیا، انصار کے ساتھ خیر خواہی کی وصیت کی اور خطبے کے آخر میں فرمایا:

ان عبدا خیرہ اللہ بین الدنیا و بین ما عنداللہ فاختار ما عنداللہ ۔ (1492)

" اللہ تعالیٰ نے ایک بندے کو دنیا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے اس میں اختیار دیا تو اس بندے نے اللہ کے ہاں جانے کو ترجیح دی۔"

یہ سن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے رونے کی آواز بلند ہوئی جس پر لوگوں کو تعجب ہوا، اللہ کے قرب کو اختیار کرنے والا بندہ اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی تھا، اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی صحبت و رفاقت اور دین اسلام کی نصرت کیلئے اللہ کی راہ میں بے دریغ خرچ کرنے کی تعریف فرمائی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لو کنت متخذا خلیلا عند ربی لاتخذت ابابکر خلیلا، و لکن اخوۃ الاسلام و مودتہ

”اگر میں اللہ کے ہاں کسی کو جانی دوست بناتا تو ابو بکر کو بناتا، لیکن اسلام کی برادری اور دوستی کافی ہے۔“

آپ نے یہ بھی حکم دیا کہ مسجد کی طرف کھلنے والے تمام دروازے بند کر دیے جائیں سوائے ابو بکر کے دروازے کے۔ (1493)

وفات سے چار دن پہلے آپ ﷺ نے یہود ونصاریٰ اور مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکالنے کی وصیت فرمائی، اور وفود کو پہلے کی طرح حاضر ہونے کی اجازت دی (1494)، اس دن جب آپ ﷺ کی تکلیف میں شدت آئی تو اپنے پاس موجود صحابہ سے فرمایا:

هلموا اكتب لكم كتابا لا تضلوا بعده.

”لاؤ میں تمہیں ایک تحریر لکھوا دوں تاکہ بعد میں تم لوگ گمراہی سے بچ جاؤ۔“

اس حکم کی تعمیل میں صحابہ کرام کا اختلاف ہوا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا:

”فی الحال آپ ﷺ سخت تکلیف میں ہیں، اور تم لوگوں کے پاس قرآن موجود ہے، جو ہماری رہنمائی کیلئے کافی ہے، اس لیے آپ ﷺ کو مزید تکلیف نہیں دینی چاہیے، جب شور شرابا اور اختلاف بڑھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

قوموا عنّي. (1495)

”سب لوگ میرے پاس سے اٹھو۔“

اگلے دن کچھ افاقہ ہوا، تو فرمایا:

احسنوا الظن بالله عزّ وجلّ. (1496)

”اللہ عزوجل کے بارے میں اچھا گمان رکھو۔“

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرض بڑھ گیا اور باہر جا کر لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنا آپ کیلئے مشکل ہو گیا تو آپ نے فرمایا:

مروا ابابکر ان یصلی بالناس

”ابو بکر سے کہو لوگوں کو نماز پڑھائے۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مشورہ دیتے ہوئے عرض کیا:

ان ابابکر رجل رقیق ضعیف الصوت کثیر البکاء اذا قرا القرآن۔

”ابو بکر مدہم آواز والے، نرم دل انسان ہیں، اور قرآن پڑھتے ہوئے بہت روتے ہیں۔“

لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی پر اصرار فرمایا، چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ہی جا کر لوگوں کو نماز پڑھائی (1497)، اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہتری محسوس ہوئی تو آپ ظہر کی نماز کیلئے تشریف لے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو آدمیوں کا سہارا لے رکھا تھا، جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو پیچھے ہونے لگے، آپ نے اشارے سے منع کر دیا، اور ان کے پہلو میں بیٹھ گئے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھ رہے تھے اور لوگ آپ رضی اللہ عنہ کی اقتدا کر رہے تھے۔(1498)

وفات سے ایک دن پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے تمام غلاموں کو آزاد کر دیا اور

جتنے دینار موجود تھے سب صدقہ کر دیے، آپ ﷺ نے فرمایا:

لانورث وما ترکنا صدقة۔ (1499)

”ہماری میراث نہیں ہوتی، جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔“

وفات کی صبح فجر کے وقت رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کی طرف نظر شفقت سے دیکھا، وہ صفیں سیدھے کر رہے تھے، آپ ﷺ نے اپنے حجرے کا پردہ اٹھایا اور ان کی طرف دیکھ کر مسکرائے، رسول اللہ ﷺ کے دیدار کی خوشی سے مسلمانوں کو نماز بھولنے لگی تھی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پہلی صف سے متصل امام کی جگہ سے پیچھے ہونے لگے، لیکن آپ ﷺ نے دست مبارک سے اشارہ فرمایا کہ نماز جاری رکھو، پھر آپ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں داخل ہوئے اور پردہ گرادیا۔ (1500)

چاشت کے وقت حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا خدمت میں حاضر ہوئیں، اور عرض کیا:

واکرب اباہ

”ہائے میرے والد کی تکلیف“

آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

ليس على ابيك كرب بعد اليوم۔ (1501)

”آج کے بعد تمہارے والد پر کوئی تکلیف نہیں آئے گی۔“

پھر انہیں قریب بلایا اور سرگوشی میں کچھ کہا تو وہ رونے لگیں، پھر بلا کر سرگوشی کی تو

وہ ہنسنے لگیں، آپ ﷺ کی وفات کے بعد انہوں نے بتایا آپ نے مجھے اپنی وفات کی خبر دی تو میں روئی ، پھر فرمایا کہ میں سب سے پہلے آپ سے جا ملوں گی تو میں ہنس دی (1502)، دلائل النبوۃ کی حدیث میں ہے کہ جیسے آپ ﷺ نے بتایا تھا ویسا ہی ہوا۔

آنحضرت ﷺ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے تھے اور آپ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلنے والے آخری الفاظ یہ تھے:

مع الذين انعمت عليهم من النبيين و الصديقين و الشهداء و الصالحين، اللهم اغفرلى و ارحمنى، و الحقنى بالرفيق الاعلى، اللهم فى الرفيق الاعلى۔

"ان لوگوں کے ساتھ ملا دے جن پر تو نے انعام کیا، انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ، اے اللہ میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم کر، مجھے رفیق اعلی کے ساتھ ملا دے، اے اللہ رفیق اعلی کے ساتھ ملا دے۔"

تین بار یہ دعا کی (1503)، پھر آپ ﷺ کا ہاتھ مبارک نیچے ہو گیا اور آپ رفیق اعلی کے ساتھ جا ملے۔(1504)

آنحضرت ﷺ کی وفات گیارہ ہجری، بارہ ربیع الاول، پیر کے دن، چاشت کے وقت ہوئی (1505)، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے پر درد الفاظ میں کہا:

يا ابتاه ، اجاب ربا دعاه، يا ابتاه الى جنة الفردوس ماواه، ياابتاه: الى جبريل ننعاه۔(1506)

”ہائے میرے والد، جنہوں نے اپنے ربّ کی پکار پر لبیک کہا، ہائے میرے والد جن کا ٹھکانہ جنت الفردوس ہے، ہائے میرے والد جن خبر ہم جبریل کو سناتے ہیں۔“

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی وفات پر یقین نہ کر سکے، اور ایسی بات کرنے والوں کو دھمکی دی (1507)، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے سنح والے گھر سے واپس آئے، نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے، چہرہ مبارک سے کپڑا ہٹا کر بوسہ دیا اور روئے۔ پھر لوگوں کی طرف نکلے جو تذبذب اور تردد کا شکار تھے، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اما بعد من كان يعبد محمدا فان محمدا قد مات، و منكان منكم يعبد الله فان الله حیّ لا يموت، ثم تلا قول الله تعالى: وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ۔ (1508)

”حمد وصلاۃ کے بعد! جو کوئی محمد کی عبادت کرتا تھا تو سن لے کہ محمد وفات پا چکے ہیں، اور جو تم میں سے اللہ کی عبادت کرتا تھا تو اللہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے، اس پر موت نہیں آ سکتی، پھر آپ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان کی تلاوت کی:

”اور محمد ایک رسول ہی تو ہیں۔ ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں، بھلا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا انہیں قتل کر دیا جائے تو کیا تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی الٹے پاؤں پھرے گا وہ اللہ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور جو شکر گزار بندے ہیں اللہ

ان کو ثواب دے گا۔"

لوگوں کو سکون ملا اور ان کے دل اللہ کے فیصلے پر مطمئن ہو گئے، اور ایسا لگ رہا تھا کہ اس سے پہلے انہوں نے یہ آیت سنی ہی نہ تھی۔(1509)

وفات سے اگلے دن منگل کو کپڑوں ہی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غسل دیا گیا، غسل میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس، ان کے دو بیٹوں فضل و قثم کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد اور داماد حضرت علی، آپ کے غلام شقران، اسامہ بن زید اور اوس بن خولی رضی اللہ عنہم شریک ہوئے(1510)، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تین کپڑوں میں کفن دیا گیا جن میں قمیص اور عمامہ شامل نہیں تھا(1511)۔

مسلمانوں نے چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی صورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام پیش کیا، ان میں سے کوئی امام نہیں ہوتا تھا(1512)، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں قبر مبارک بنائی گئی اور بدھ کی رات تدفین عمل میں آئی۔(1513)

حوالہ جات

(1419) البخاري - الصحيح (فتح الباري 125/8) أحمد - المسند 231/4.

(1420) ابن كثير - البداية و النهاية 11/5

(1421) أحمد - المسند 20/6، موارد الظمآن في زوائد ابن حبان ص/418، بإسناد حسن.

(1422) أحمد - المسند 5/390-391، البيهقي - السنن 9/32-33

(1423) البخاري - الصحيح 8/6 (كتاب المغازي).

(1424) أورد ذلك الحافظ ابن حجر في فتح الباري عند شرح الحديثين (4427-4426).

(1425) البخاري - الصحيح (فتح الباري - الحديث 4418) ، مسلم 4/2123- حديث(2769).

(1426) القرآن الكريم - سورة التوبة، الآيات / 108-107، وانظر الطبري - التفسير 11/23-24 . وأورد ابن إسحاق خبرا عن إرسال النبي ﷺ لاثنين من الصحابة ، هما مالك بن الدخشم ومعن بن عدي إلى مسجد الضرار لهدمه وتحريقه وأنهما نفذا أوامره، كما قدم قائمة بالاثنى عشر منافقا الذين قاموا بتأسيسه ابن هشام - السيرة 3/530والرواية مرسلة الإسناد.

(1427) القرآن الكريم - سورة التوبة، الآية / 84، البخاري - الصحيح (فتح الباري 3/214، 8/333)

(1428)القرآن الكريم-سورة التوبة، الآية/94

(1429)القرآن الكريم-سورة التوبة، الآيات/95-96

(1430) البخاري - الصحيح (فتح الباري، حديث (4418، مسلم - الصحيح 4/2120-8(حديث2769)، ابن حجر الإصابة4/396، 604

(1431) البخاري - الصحيح (فتح الباري (8/114)، الطبري - التفسير 11/58وهو من مراسيل الزهري.

(1432)البخاري-الصحيح (فتح8/114)

(1433) أصدر النبي ﷺ أمر اعتزالهم للنساء بعد مرور أربعين يوما من عودته إلى المدينة ومقاطعة المسلمين لهم، وقد نفذوا أمر النبي ﷺ، واستأذنته زوجة هلال بن أمية في خدمته ذلك أنه شيخ كبير ضائع لا خادم له، فأذن لها واشترط عليها أن لا يقربها. ابن هشام - السيرة 535/3.

(1434) حاول ملك الغساسنة النصراني أن يستغل الحالة التي كان عليها كعب بن مالك فكتب له رسالة مع أحد الأنباط دعاه فيها إلى الالتحاق به لمواساته، وقد أدرك كعب أن ذلك ابتلاء وامتحان من الله تعالى فقال: قد بلغ بي ما وقعت منه أن طمع في رجل من أهل الشرك فأحرق الرسالة ابن هشام - السيرة 535/3.

(1435) القرآن الكريم - سورة التوبة، الآية/118، وانظر في ذلك البخاري - الصحيح (فتح الباري 116/113/8)

(1436) عند تدقيق النسخة المطبوعة الأولى (طبعة لايدن من كتاب الطبقات وكذلك الطبعات الأخرى في القاهرة وبيروت والتي كانت عيالاً على الطبعة الأولى، يتبين أن النقص لا يقتصر على إغفال محمد بن سعد لذكر وفد هوازن كما صرح بذلك الحافظ ابن كثير، وإنما يدفع إلى التصور أن الإغفال شامل لأغلب الوفود، وكان ذلك مثيرًا للتساؤل، ودافعا إلى البحث والتقصي، ولم يكن يخطر ببال أحد أن جميع الطبعات التي حفل بها الكتاب ناقصة مبتسرة، ويعتورها نقص كبير، خاصة وقد مضى على طبع أولها ما يزيد على قرن كامل، واطلع عليها أجيال من العلماء، وأصبح موضوع الشك في حصول النقص فيها أمرًا بعيد الاحتمال، ولكن ذلك قد تحقق، وإذا بنا نجد نقصًا كبيرًا في المطبوع شمل الطبقة

الرابعة وهي طبقة من أسلم عند فتح مكة و ما بعد ذلك من الصحابة، و الطبقة الخامسة و هي تختص بصغار الصحابة الذين توفي النبي ﷺ عنهم وهم صغار السن«. ويتزايد النقص لنكتشف أن ما هو مطبوع من الطبقة الثالثة يعتوره الكثير من النقص أيضًا، فقد سقط منه في موضعين، ما يعادل القسم المطبوع منه، والمعلومات التي سقطت غاية في الأهمية، إلى جانب نقص وسقط محل حاصل في مواضع كثيرة من المطبوع، وذلك لا يشمل قطعا النقص الواقع في طبقة النساء وطبقات التابعين. وقد استخرت الله سبحانه وتعالى في تدقيق كامل الكتاب وتخريج نصوصه وترجمة ما فيه من أعلام متونا وأسانيدا وإخراجه في طبعة موحدة، فاطمأن قلبي وانشرح صدري إلى ذلك خدمة للعلم وتيسيراً للعلماء وطلاب الحديث النبوي الشريف، ومن الله العون وعليه سبحانه التكلان.

(1437) ابن هشام - السيرة 599/3.

(1438) ابن كثير - البداية والنهاية 46/5-47.

(1439) ابن هشام - السيرة 599/3

(1440) حكت آيات من سورة الحجرات بعض ما صدر من أفراد وقد تميم من تصرفات تتسم بالبداوة وجفاء الطبع وقلة الذوق، كالمناداة على النبي من وراء الحجرات وبصوت مرتفع بدلاً من أن يستأذنوا ويسلموا عليه. انظر في ذلك الطبري - التفسير 122/26.

(1441) الطبري - الصحيح (فتح الباري 83/8-102)

(1442) ابن كثير - البداية 40/5-98 مثلا.

(1443) البخاري - الصحيح (فتح الباري حديث (4368-9)، مسلم - الصحيح

5-46/1(الأحاديث 17-18)

(1444)البخاري، المصدر السابق (حديث 4373)

(1445)المرجع السابق (حديث 4380، 4381)، مسلم- الصحيح 1822/4، (حديث 2420)

(1446)البخاري- الصحيح (فتح الباري، حديث (3136)

(1447) المرجع السابق (الفتح حديث 2714، 2715، مسلم - الصحيح 75/1(حديث (56)

(1448) البخاري - الصحيح (فتح حديث (3924) ، مسلم- الصحيح 1957/4 ، (حديث (2524)، أحمد- المسند 39/13(حديث 7313)

(1449)البخاري- الصحيح (فتح الباري، حديث (4091)، أحمد- المسند 25/4.

(1450) ورد فيها معلومات واسعة عن الوفود مثل عبد القيس بني حنيفة، وفد نجران، وفد الأشعريين، وفد الحميريين، وفد بني عامر، وفد بني سعد بن بكر، وفد دوس، وفود فروة بن مسيك المرادي، وفد كندة، رسول ملوك حمير، قدوم جرير بن عبد الله البجلي، وفد حضرموت، وقد بني المنتفق، وفد صداء، وفد عبد الرحمن بن أبي عقيل مع قومه، وفد بكر، وفادة طارق عبد الله وقومه... مثلا.

(1451) وفد عبد القيس، مسلم- الصحيح 1/46-50(حديث (18-17)، وفد نجران الصحيح 1822/4(حديث 2420)قصة الطفيل بن عمر ووفد دوس، مسلم - الصحيح 1957/4 (حديث 2524).

(1452) ابن سعد - الطبقات الكبرى 168/2 بإسناد صحيح وبلغ عدد الصحابة الذين رافقوا أبابكر الصديق - رضي الله عنه - في هذه الحجة ثلاثمائة صحابي (ابن حجر - فتح الباري 82/8 برواية الواقدي، ضعيف.

(1453) انفرد الواقدي بذكر ذلك وقال إنهم ساقوا معهم عشرين بدنة. ابن حجر - فتح الباري 82/8

(1454) أورد ابن إسحاق حديث النبي ﷺ: » لَا يُؤَدِّي عَنِّي إِلَّا رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي وإسناده حسن، ولكنه مرسل من محمد بن علي الباقر (ابن هشام - السيرة 203/4)، وانظر كذلك: الطبري - التفسير 65/10، وله شاهد يتقوى به انظر أحمد—الفتح الرباني 212/21 عن أنس، ابن كثير - البداية والنهاية 37/5-38 ، واستعرض البغوي أقوال العلماء في سبب إرسال النبي ﷺ لعلي ابن أبي طالب في هذه المهمة وقال : إن العرب قد تعارفوا فيما بينهم على ألا يتولى عقد العهود ونقضها إلا سيدهم أو رجل من رهطه، ولذلك فإنه بعث عليا دفعا للعلة ومنعا لهم من إنكار إلغاء العهد بسبب تبليغه إياهم خلاف ماجرت عليه عاداتهم وتقاليدهم. (التفسير 49/3(بهامش تفسير الخازن)، ونقله عنه الساعاتي في الفتح الرباني 212/21

(1455) ابن هشام-السيرة 203/4 برواية ابن اسحاق باسناد حسن لكنه مرسل۔

(1456) البخاری- الصحيح (فتح الباری حديث 4363) ، مسلم الصحيح 982/2 (حديث 1347) و اقتصرا على ذكر منع حج المشركين، و منع العرى فى طواف البيت العتيق ، اما الامام احمد فقد اورد ه كاملا باسناد صحيح (الفتح الربانى 211/21)،

الترمذی-السنن 116/4، ابن کثیر-البدایة 38/5، الطبری-التفسیر (14/95-102)

(1457) الترمذي-السنن 116/4، الطبری-التفسیر 10/63-64

(1458) القرآن الكريم-سورة التوبة، الآيات 1-3

(1459) القرآن الكريم-سورة التوبة، الآية 4

(1460) القرآن الكريم-سورة التوبة، الآية 5

(1461) البخاري - الصحيح (فتح البارى، الاحاديث 4341-4345)، مسلم - الصحيح 3/1587 (حديث 1733)

(1462) البخاري - الصحيح (فتح الباري - حديث 4347) ، وذكر ابن كثير أنه قد أخرجه بقية الجماعة من طرق متعددة. البداية والنهاية 133/5.

(1463) البخاري - الصحيح (فتح الباري حديث 4349، مسلم الصحيح 2/888(حديث (1218) أحمد-المسند 86/3، أبو داود-السنن 14/11-12 (حديث 3582)

(1464) البخاري - الصحيح (فتح الباري - الأحاديث (4355-57)، مسلم - الصحيح 1925/4 (حديث 2476) واليمانية نسبة إلى موقعها، وقد تعرف أحيانًا بالشامية باعتبار أن بابها يواجه بلاد الشام، أو الشمال.

(1465) مسلم-الصحيح 1887/2 (الحديث (1218)

(1466) البخاري-الصحيح (فتح الباري (104/8) ابن هشام-السيرة 272/4 برواية ابن إسحاق، بإسناد حسن، ابن كثير-البداية والنهاية 125/5 بإسناد جيد.

(1467) انظر مثلا ابن كثير-البداية 223/5-233

(1468) ابن القيم - زاد المعاد 2/101-324، وانظر مسلم - الصحيح بشرح النووي 170/5

(1469) القرآن الكريم - سورة المائدة، الآية / 3، وانظر البخاري - الصحيح (فتح الباري، حديث (4407)، ابن كثير - البداية والنهاية 123/5

(1470) مسلم - الصحيح بشرح النووي 170/8، وهو أهم المرويات الصحيحة التي وردت فيها أحكام حجة النبي ﷺ ووصاياه فيها وهو حديث جابر - رضي الله عنه - الذي رواه مسلم وتفرد به، ولم يرد في صحيح البخاري، ورواه أبو داود، ونقل النووي قول القاضي عياض: وتكلم الناس على ما فيه من الفقه وأكثروا وصنف فيه أبو بكر بن المنذر جزءا كبيرًا وخرج فيه من الفقه مائة ونيفا وخمسين نوعًا، ولو تقصى لزيد على هذا القدر قريبا منه.. وانظر تخريجه في كتاب حجة النبي للألباني ص /38-41 ووردت بعض الخطبة في صحيح البخاري (فتح الباري 108/8، ورواه أئمة الحديث في كتبهم مقطعا في أبواب متفرقة متعددة من طرق صحيحة، وانظر أحمد - الفتح الرباني 121-280، البيهقي - دلائل 449/5، الحاكم - المستدرك 93/1، البزار - كشف الأستار (رقم 1524).

(1471) ابن هشام - السيرة 4/605-606.

(1472) البخاري - الصحيح (فتح الباري 107/8 حديث 4403)، مسلم - الصحيح 82/1 (حديث 65-66) احمد - الفتح الرباني 12/210-212،، ابن القيم - زاد المعاد 311-101/2

(1473) ابن هشام - السيرة 606/4 برواية ابن إسحاق.

(1474) المرجع السابق 602/4-603، وأورد ابن كثير - البداية 209/5رواية قوية جيدة الإسناد.

(1475) ابن كثير - البداية 212/5.

(1476) أحمد - فضائل الصحابة 594/2 (رقم (1010) بإسناد صحيح المسند 164/4، وأخرجه النسائي في السنن الكبرى، كما في تحفة الأشراف (13/3) من طريق يحيى بن آدم، والنسائي - الخصائص (ص) (20) وابن ماجه 44/1، وانظر المسند أيضا 419/5، (بإسناد صحيح الحاكم المستدرك 110/3، والترمذي 63/5 ، وأحمد 347/5عن ابن عباس. وأخرجه أبو بكر بن أبي شيبة عن بريدة، وجابر، وأبي هريرة المطالب العالية (59/4-60)، وعقد الهيثمي في مجمعه (103/9) بابا في ذلك ذكر فيه طرقا كثيرة جدا غير ما أسلفنا.

(1477) أحمد - الفتح الرباني 220/21-223، الواقدي - مغازي 1117/3-1118، ابن سعد - الطبقات 248/2.

(1478) ابن هشام - السيرة 606/4 برواية ابن إسحاق مرسلا.

(1479) أحمد - الفتح 220/21-221

(1480) المرجع السابق 221/21-223، وانظر ابن حجر - فتح الباري 152/8

(1481) البخاري - الصحيح (فتح الباري 152/8 حديث 4469)

(1482) المرجع السابق 152/8 (حديث (4469) وقد انفرد الواقدي بذكر عدد هذا الجيش المغازي 1120/3-1123)

(1483) القرآن الكريم - سورة الزمر، الآية/30

(1484)البخاري - الصحيح (فتح الباري (1388)

(1485)المرجع السابق 138/8

(1486)ابن حجر - فتح الباري 129/8.

(1487) البخاري - الصحيح (فتح الباري 141/8 حديث 4442، 4450) ، أحمد - الفتح الرباني 226/21 بإسناد صحيح.

(1488)ابن حجر - فتح الباري 129/8.

(1489)البخاري - الصحيح (فتح الباري 138/8 حديث 4429)، مسلم - الصحيح 1721/4-1724، (الأحاديث(2192-1291)

(1490) البخاري - الصحيح (فتح الباري، الأحاديث 425، 436، 437 مسلم 4756/10(حديث 529532)، مالك - الموطأص /360

(1491)مالك - الموطأص /365، البيهقي - دلائل النبوة(7/169-180)

(1492) البخاري - الصحيح (فتح الباري، الأحاديث 4431- 4432)، مسلم 1257/3-59، (الحديث 1637)

(1493)البخاري - الصحيح (فتح الباري الحديث (4432) مسلم - الصحيح (الحديث 1637)

(1494)الذهبي - السيرة ص /557، ابن ماجه - صحيح ابن ماجه للألباني 271/1، كتاب الجنائز (حديث 1625) وقال: صحيح، وصححه الهيثمي - مجمع الزوائد 237/4.

(1495) هناك قرائن تشير إلى أن أمره بإحضار أدوات الكتابة لم تكن على الوجوب وإنما

فيه تخيير، فلما قال عمر مقولته لم يكرر رسول الله ذلك، ولو كان الأمر لازما لأوصاهم به، وانظر البخاري - الصحيح (فتح الباري 132/8)

(1496) الذهبي - السيرة ص /557 وقال إنه حديث صحيح من العوالي.

(1497) أحمد - الفتح الرباني 226/21-227 من طريق ابن إسحاق ورجاله ثقات، أبو داود - السنن 47/5-48، ابن كثير - البداية 232/5-233.

(1498) البخاري - الصحيح (فتح الباري 141/8)، أحمد - المسند (الفتح الرباني 231/21، ابن كثير - البداية 229/5-230، وانظر كذلك مسلم - الصحيح 313/1-4 (حديث 418)

(1499) البخاري - الصحيح (فتح الباري، الأحاديث 6726-6728، 6730)، وانظر ابن سعد - الطبقات 237/2-8، 316-317 من عدة طرق يتقوى بعضها ببعض ولها شاهد من حديث البخاري أن الرسول ﷺ لم يترك عند موته عبدا ولا أمة.

(1500) البخاري - الصحيح (فتح الباري حديث 4448)

(1501) المرجع السابق فتح الباري 149/8 حديث 4462۔

(1502) البخاري - الصحيح (فتح الباري 208/1 الاحاديث 4433-4) ، مسلم - الصحيح 1904/4 (حديث 2450)

(1503) البخاري - الصحيح (فتح الباري 136/8 حديث 4449)، ابن هشام - السيرة 329/3 بإسناد صحيح.

(1504) البخاري - الصحيح (فتح الباري 142/8 حديث 4463)، مسلم - الصحيح

1894/4 (حديث 2444)

(1505) البخاري - الصحيح (فتح الباري 150/8 حديث (4466)، وانظر ابن حجر - الفتح 129/8.

(1506) البخاري - الصحيح (فتح الباري 149/8) حديث 4462.

(1507) أحمد - الفتح الرباني 241/21-242، ابن سعد - الطبقات 266/2، الصنعاني - المصنف 433/5-434.

(1508) البخاري - الصحيح (فتح الباري 145/8 الأحاديث 4452-4454)، والآية /144 من سورة آل عمران.

(1509) البخاري - الصحيح (فتح الباري 145/8)

(1510) ابن هشام - السيرة 662/4-663.

(1511) البخاري - الصحيح (فتح الباري حديث (1263)، مسلم - الصحيح 649/2-650 (حديث 941)

(1412) أحمد - الفتح الرباني 253/21-4، وقال الهيثمي وقد رواه في مجمع الزوائد: رواه أحمد ورجاله رجال الصحيح، ابن سعد - الطبقات 288/2-292 من عدة طرق وقال ابن كثير عن صلاة المسلمين فرادى بأنه أمر مجمع عليه لا خلاف فيه «البداية 299/5.

(1513) ابن إسحاق بإسناد حسن سيرة ابن هشام 664/4.

(1514) ابن هشام - السيرة برواية ابن إسحاق 666/4-9

(1515) ابن هشام - السيرة 671/4.

غزہ کا رنگ

غزہ پر 2014ء کا اسرائیلی حملہ اکیاون دن جاری رہا۔ تب لگتا تھا کہ یہ اکیاون دن نہیں اکیاون برس ہیں

اُم احسن

قاسم ولید ڈاکٹر ہیں اور غزہ میں ہی دو برس سے در بدر ہیں۔ قاسم نے چند دن پہلے ان دو برسوں کے احوال یوں بتائے۔

”جب اسرائیل نے 7 اکتوبر 2023ء کے حملے کا بدلہ لینے کی کارروائی شروع کی تو ہم جانتے تھے کہ یہ وقت گذشتہ تمام ادوار سے زیادہ کڑا ہوگا۔ مگر کسی کے تصور میں نہیں تھا کہ یہ دو برس پر محیط ہو جائے گا اور دنیا اسے ٹالنے کے لیے کچھ بھی نہیں کرے گی۔

غزہ پر 2014ء کا اسرائیلی حملہ اکیاون دن جاری رہا۔ تب لگتا تھا کہ یہ اکیاون دن نہیں اکیاون برس ہیں۔ مگر

پچھلے دو برس سے جو ہو رہا ہے اس کے آگے تو 2014ء کی کارروائی محض پلک جھپکنے کے برابر مدت لگتی ہے۔

شروع کے دنوں میں مجھے محسوس ہوتا تھا کہ نسل کشی کی خون آشام پیاس الاہلی اسپتال پر ہونے والے اسرائیلی میزائل حملے میں سیکڑوں لوگوں کی ہلاکت سے شائد بجھ جائے، یا پھر غزہ کے سب سے بڑے الشفا اسپتال کو کھنڈر بنانے کے بعد معاملہ تھم جائے، یا پورے رفاہ شہر کو ملبے میں بدل کے کچھ تسلی ہو جائے، یا پھر شمالی غزہ کو ملیا میٹ کرنے سے اسرائیلی انتقام کی حسرت کو قرار آ جائے۔

مگر اس سال جنوری میں ہونے والی عارضی جنگ بندی بھی سراب نکلی۔ یہ جنگ بندی اسرائیل کی جانب سے یکطرفہ طور پر توڑے جانے کے بعد غذائی ناکہ بندی، فاقوں سے موت اور نسل کشی کا اگلا باب کھل گیا تو یوں لگا کہ رواں برس کے مقابلے میں گذرا سال قدرے غنیمت تھا۔ گذشتہ برس سات اکتوبر کی پہلی برسی کے موقع پر میں خان یونس میں پناہ گیر تھا کہ اچانک المواسی کی ''محفوظ پٹی'' کی جانب ایک اور ہجرت کا فوجی فرمان جاری ہو گیا اور ہزاروں لوگ ایک بار پھر اٹھ کے چل پڑے۔

ہم آج بھی ایک اور جنگ بندی کے بعد المواسی کے ایک خیمے میں بھوک کاٹ رہے ہیں۔ پچھلے آٹھ ماہ میں صرف موت اور تباہی کے پنجے ہی دراز نہیں ہوئے بلکہ اسرائیل نے نت نئے انہوں نے پھندے اور جال ہمارے سامنے بچھا دیے تا کہ ہم اپنی پسند کی موت کا آزادی و آسانی سے انتخاب کر سکیں۔

2 مارچ کو جب اسرائیل نے ہم پر دانہ پانی مکمل بند کر دیا اور ساتھ ہی بھوکے لوگوں

پر مسلسل بم برسنے لگے تو ہم نے سوچا کہ شائد یہ ابلیسیت کی آخری حد ہے۔مگر ہم غلط تھے۔غذائی ناکہ بندی تو محض ایک نئے کھیل کا آغاز تھا۔

یہ کھیل مئی میں غزہ ہیومینیٹیرین فاؤنڈیشن کے اسٹیج پر شروع ہوا۔جہاں خوراک دینے کے نام پر فلمی کے بجائے اصلی ''ہنگر گیم'' کھیلی گئی۔شکاری شکار کی جانب خوراک کے چند ڈبے پھینکتے تھے۔چھینا جھپٹی سے محظوظ ہوتے تھے اور جب اکتانے لگتے تو چن چن کے نشانے باندھتے اور شکار کے ٹھنڈا ہونے تک اس کے تڑپنے سے لطف کشید کرتے۔

جب بھوک سے بڑی تعداد میں بچوں کے مرنے کی خبر دنیا میں پھیلنے لگی تو اسرائیلیوں نے ایک اور گیم شروع کر دی۔غذائی امداد سے بھرے کمرشل ٹرک غزہ میں داخل ہونے دیے گئے۔ان پر لدے پھلوں اور سبزیوں کی نمائش کر کے یہ تاثر دیا گیا کہ غزہ میں بھوک محض اسرائیل دشمن پروپیگنڈہ ہے۔مگر ان اشیا کی قیمتیں اس قدر زیادہ تھیں کہ پتھرائی آنکھوں والے بچے اور ان کی مائیں محض انھیں دور سے دیکھ سکتے تھے۔چھو بھی نہیں سکتے تھے۔

جب اسرائیل نے غزہ شہر فتح کرنے کے لیے دو ہفتے قبل بھرپور فوج کشی کی تو نسل کشی میں تیزی کے لیے بڑی بڑی متروک فوجی گاڑیوں میں ٹنوں بارود بھر کے رہائشی عمارات کے عین نیچے کھڑا کر کے ریموٹ کنٹرول کے ذریعے یہ بارودی گاڑیاں پھاڑ دی جاتیں۔یوں محلے کے محلے چشمِ زدن میں مکینوں سمیت تحلیل ہو گئے۔

ادیب اور نقاد ٹی ایس ایلیٹ لکھتا ہے کہ انسان بہت زیادہ حقیقت بھی برداشت نہیں کر سکتا۔مگر ہم تو دو برس سے ہر آن ناقابلِ برداشت خالص حقیقی عذاب سے گذر رہے

ہیں۔جتنا قتلِ عام ان آنکھوں نے دیکھا اس سے زیادہ وہ ہے جو یہ آنکھیں نہیں دیکھ سکیں۔

میرے دوست جواں سال ادیب محمد حامو سمیت اس کے خاندان کے تمام دوسو افراد مار ڈالے گئے۔ یا وہ ایک سو بارہ بھوکے لوگ جو آٹے کی قطار میں تھے اور پھر اس قطار میں کوئی زندہ نہ بچا۔اٹھارہ مارچ کا دن بھی شائد تاریخ کے کسی پنے پر محفوظ ہو جائے جب ایک سو بچوں سمیت ایک ہی دن میں چار سو سے زائد انسان لاشیں بن گئے۔

اور وہ پندرہ طبی رضا کار کیسے بھلائے جائیں گے جن کی امدادی ایمبولینسیں رفاہ کے قریب ویرانے میں روک کے ایک ایک کے سر میں گولی ماری گئی۔غزہ کے سویلینز اور فارنز میں کوئی تمیز نہیں بچی۔محفوظ اور غیر محفوظ علاقوں کی اصطلاح نے بہت پہلے ہی دم توڑ دیا۔ڈاکٹر اور مریض،صحافی و عینی شاہد،استاد اور شاگرد،عورت اور پیٹ میں موجود بچہ سب کے سب نشانے پر ہیں،سب دہشت گرد ہیں۔زندگی کے معنی بس یہ رہ گئے کہ ہر آن ہر طرف سے ہر قسم کی برستی موت سے لمحہ بہ لمحہ کیسے بچنا اور بچانا ہے۔

میں اور میرا خاندان تو صرف نو بار اجڑے ہیں۔ایسے ہزاروں خاندان ہیں جو غزہ کے پنجرے میں بیس بیس بار ایک سے دوسری جگہ نقل مکانی پر مجبور کیے گئے۔جہاں بھی رکتے سورج کی تمازت اور تیز ہوا سے بچنے کے لیے دو چادریں تان کے ایک تصوراتی گھر بنا لیتے۔بیت الخلا کے نام پر گڑھا کھود لیتے اور پھر حکم ملتا کہ یہاں سے کہیں اور چلے جاؤ۔یہ ”کہیں اور کا حکم“ بھی کب کا معنی کھو چکا ہے۔

آپ کے لیے غزہ شائد ایک ریتیلی ساحلی پٹی ہے کیونکہ آپ نے اس کے بارے میں بس یہی سنا ہے۔اسے دیکھا نہیں۔غزہ شہر میں بلند و بالا عمارتیں تھیں،انسانی چہل پہل

سے لبریز بازار تھے، مسکراتی یونیورسٹیاں تھیں، ماضی کو حال سے جوڑنے والے سیکڑوں برس پرانے ضعیف گھر، گرجے اور مساجد تھیں۔

غزہ کے مضافات میں بیت حانون اور بیت لاہیا کی وضع قطع دہقانی اور ہرے بھرے کھیت تھے۔ جنوب میں خان یونس اور رفاہ شہر کے چاروں طرف پھل دار باغات اور زیتون کے ہزاروں درخت تھے۔ جبالیہ، برتج اور خان یونس اسی برس پرانے فلسطین کا نمونہ تھے۔ وہ تاریخی فلسطین جہاں سے انیس سو اڑتالیس کے نقبہ میں ہجرت کرنے والوں اور ان کے بچوں اور پھر ان کے پوتوں نواسوں نے ان کیمپوں کو بھی شاندار ماضی سے ایسے جوڑے رکھا جیسے آئینے کے مقابل ایک اور آئینہ رکھ دیا جائے۔

اب ایک ہی رنگ بچا ہے زندگی کا اور وہ ہے مٹیالا۔ ملبہ سرخ، سفید، سبز، نیلا نہیں ہوتا بس مٹیالا ہوتا ہے اور یہ رنگ تاحدِ نگاہ ہے۔ اس ملبے میں کبھی کوئی خودرو کونپل پھوٹ پڑے تو ہم آنکھیں مل مل کے دیکھتے ہیں کہ یہ سبزہ کہاں سے اترا۔

آپ کو تو سہولت ہے کہ تباہی کے مناظر اسکرین یا موبائل فون پر دیکھتے دیکھتے ناقابلِ برداشت ہو جائیں تو چینل بدل لیں یا موبائل سکرول کر لیں۔ ہمیں تو یہ منظر مسلسل دیکھنا ہی نہیں اس میں رہنا بھی ہے۔

ہم نے ان دو برسوں میں سہانے خواب دیکھنے بھی معطل کر دیے ہیں۔ تعبیر کے تعاقب کی سکت جو نہیں رہی۔ مگر ایک امید ہے۔

جو خاک اور خون سے اٹنے کے بعد بھی پیچھا ہی نہیں چھوڑتی۔

سادہ طرزِ زندگی

ایمان کا تقاضا

بنت سلیم

سادگی اس فطری ذوق کا عنوان ہے، جس کے نتیجے میں انسان کسی قدر اطمینان اور اعتماد کے ساتھ وہ دکھائی دیتا ہے جو وہ واقعتاً ہوتا ہے، سادگی کسی انسان کی شخصیت کا وہ پہلو ہے جو کبر، حرص اور نمائش سے خود کو بچانے کی جدوجہد سے حاصل ہوتا ہے، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ "سادگی ایمان کی دلیل ہے" اس کی برکت سے انسان

تصنع، بناوٹ اور تکلفات سے خود کو پاک رکھتے ہوئے اپنے احساسِ جمال کی بہ آسانی تسکین کرتا ہے۔

سادگی بامعنی زندگی کی بہت اہم قدر ہے، جس کا مقصد اس مستقل ذمہ داری کو نبھاتے رہنا ہے کہ اپنی ضروریات کو مختصر اور محدود رکھا جائے اور خواہشات کی اندھی تقلید کے بجائے ان کو پرکھتے رہا جائے، سادگی کا تعلق انسان کے مزاج سے بھی ہے اور اس کے طرزِ زندگی سے بھی، جب انسان سادگی اختیار کرتا ہے تو وہ نہ تو اپنے نام کے ساتھ القابات سننا چاہتا ہے اور نہ اپنی تعریف ہی قبول کرتا ہے، ایسا انسان نہ تو کسی سے مرعوب ہوتا ہے اور نہ کسی کو مرعوب کرنا چاہتا ہے، کسی انسان کی نفاست اور وقار جب مادی سہاروں کے محتاج نہ رہیں تو سادگی جنم لیتی ہے، سادگی زندگی کا ایک ایسا خوبصورت رکھاؤ اور رچاؤ ہے، جو انسان میں انکسار اور وضع داری کو فروغ دیتا ہے۔

سادگی کے راستے کی دیواریں

سادگی کے راستے کی دیواریں درج ذیل ہیں۔

☆اسراف

☆نمود

☆تصنع

☆تکلّف

”اسراف“ کا مطلب ہے اعتدال یا میانہ روی چھوڑنا اور حد سے بڑھ جانا،

اسراف بولنے، کھانے، سونے سے لے کر اپنے اُوپر خرچ کرنے تک، درحقیقت طرزِ زندگی کے بے شمار معاملات میں ہو رہا ہے یعنی لوگ کسی بھی معاملے میں اس حد تک پہنچ گئے ہیں، جس کا نہ تو کوئی جواز بنتا ہے اور نہ کوئی اجر۔

"نمود" سے مراد اپنی مالی حیثیت اور اپنی شان و شوکت کا غیر ضروری دکھاوا یا نمائش ہے۔

"تصنّع" کسی بھی غیر ضروری اور غیر فطری طریقۂ کار یا بناوٹی انداز اختیار کرنے کا نام ہے۔

"تکلّف" ایک خوبصورت اور معصوم جذبے کے تحت اس بلا جواز اہتمام اور معاملے کا نام ہے، جو غیر ضروری مشکل کا باعث بنے۔

اس وقت مسلم معاشرے میں اسراف، نمود، تصنع اور تکلف سے مساجد اور مذہبی اداروں سے لے کر تعلیم یافتہ گھرانوں تک کوئی محفوظ نہیں ہے، اگر کوئی مسلمان ان میں سے کسی ایک بھی خرابی کا شکار ہو جائے تو وہ آہستہ آہستہ باقی خرابیوں میں بھی مبتلاء ہو جاتا ہے، پھر ایک ایسا وقت آجاتا ہے کہ اسے اپنا یہ خراب عمل بھی اچھا لگنے لگتا ہے اور وہ اس کے حق میں جواز بھی ڈھونڈ لیتا ہے، اسراف میں مبتلاء لوگوں کے بارے میں قرآن نے خبردار کر دیا کہ جو لوگ حد سے گزر جاتے ہیں، انہیں اپنے کرتُوت اسی طرح خوش نما معلوم ہوتے ہیں (یونس ۱۰: ۱۲)

سمجھنے کی بات یہ ہے کہ مال کے حوالے سے مسلمان کی ذمہ داری صرف جائز کمانا

ہی نہیں بلکہ اسے جائز خرچ کرنا بھی ہے، غور کیجئے کہ ربّ کریم نے اپنے کلامِ پاک میں انسانوں کو ان کا حق دینے اور فضول خرچی سے بچنے کا حکم ایک ساتھ دیا ہے، ان قرآنی آیات کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ہم اپنا مال درست جگہ اور درست مقصد میں خرچ کرنے میں ناکام ہوتے ہیں تو معاشرے میں دوسروں کی حق تلفی ہوتی ہے:

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا، اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ، وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا (بنی اسرائیل ۱۷:۲۶۔۲۷)

”رشتہ دار کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو اس کا حق، فضول خرچی نہ کرو، فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے ربّ کا ناشکرا ہے“

اسراف کی ایک شکل یہ ہے کہ انسان کی زندگی میں آرام اور سہولت اپنی جائز حد سے تجاوز کر جائے اور زندگی پُرتعیش ہو جائے، قرآن نے اس حوالے سے واضح احکام دیے ہیں کہ حرام کیا ہے اور اس کی حد کہاں سے شروع ہوتی ہے؟ لیکن ”اسراف“ سے بچنے کا معاملہ انسان کے شعور پر چھوڑا گیا ہے کہ وہ سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اصول اخذ کرتا رہے اور اپنے معاملات کا خود ہی جائزہ لیتے ہوئے خود کو حد کے اندر رکھنے کے لئے ان اصولوں کا انطباق کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن بھیجا تو فرمایا ”ناز و نعم کی زندگی سے بچنا کیونکہ اللہ کے بندے ناز و نعم کی زندگی نہیں گزارا کرتے“

(مسند احمد: ۲۲۱۰۵) غور کرنے کی بات یہ ہے کہ حضرت معاذؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ اور قریبی صحابی تھے اور ایک اہم سرکاری منصب پر وہاں تعینات کئے گئے تھے، تعیّشات جس طرح کسی عام انسان کو بگاڑنے کا باعث بن سکتی ہیں، توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ ایسے جلیل القدر صحابی پر اثر انداز نہیں ہو سکتی تھیں، پھر اعلیٰ منصب کے شایانِ شان وسائلِ تعیش کا مہیا ہو جانا اور ان سے تمتع معاشرے کے لئے کوئی اچنبھے کی بات نہیں تھی بلکہ بہت سے عام لوگوں کے لئے بلاشبہ توقع کے عین مطابق ہوتی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ چاہتے تھے کہ تعیش اگر حرام نہ بھی ہو تو بھی روحِ بندگی کو محفوظ رکھنے کے لئے اس سے خود کو بچانے کی کوشش کی جائے۔

اس حدیث کی شرح میں مُلّا علی قاریؒ فرماتے ہیں "خواہشات کی تکمیل میں حد سے بڑھ کر کوشش کرنے اور لذتوں کا حریص و مشتاق رہنے سے منع کیا گیا ہے" (مرقاۃ ج ۸ ص ۳۲۹۵) شیخ زین الدین مناویؒ فرماتے ہیں "عیش و عشرت اگرچہ مباح چیزوں میں جائز ہے لیکن یہ صفت، تعیش کے ساتھ انسان میں انسیت پیدا کرتی اور غفلت کی طرف مائل کر دیتی ہے، اسی طرح ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک قیمتی لباس تحفے میں پیش کیا گیا، جو تینتیس اُونٹ اور ایک اُونٹنی کے عوض خریدا گیا تھا اور آپؐ نے اسے ایک بار پہنا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ معصوم ہیں اور مباح کی حدود سے بخوبی واقف ہیں، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسی چیزیں اثر انداز نہ ہوتی تھیں جن کے نتیجے میں غرور، تکبر، خوشامد یا ناپسندیدہ چیزوں کی طرف تجاوز کا احتمال ہو جبکہ عام

انسان اس قسم کے خطرات سے محفوظ نہیں رہ سکتا'' اس واقعے میں غور کرنے کے کئی پہلو ہیں۔

پہلا یہ کہ اتنا بیش قیمت لباس آپؐ نے خود نہیں خریدا تھا بلکہ آپؐ کو تحفے میں پیش کیا گیا تھا

دوسرا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی دل جوئی کی خاطر تحفہ قبول فرمالیا کرتے تھے لہٰذا ایسا قیمتی لباس بھی قبول کرلیا

تیسرا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے یہ واضح کردیا کہ قیمتی لباس پہننا حرام نہیں ہے

چوتھا یہ کہ آپؐ نے اس لباس کو دوبارہ پہننا گوارا نہیں کیا

جب انسان دوسروں سے اپنے تعلق کو خوبصورت بنانے کے بجائے ان پر اپنی دھاک بٹھانے کے لئے بے چین رہے تو اسراف اور نمود کا رجحان پروان چڑھتا ہے، اسی طرح جب انسان اپنے اندر اخلاص کو زندہ رکھنے کے بجائے دوسروں پر اپنی ساکھ قائم کرنے کے لئے متفکر ہوجائے تو تصنع اور تکلف پیدا ہوتا ہے، ساکھ بہت اہم اور قیمتی چیز ہے لیکن اسے ہمارے طرزِ زندگی کا مقصود نہیں بننا چاہیے، حقیقی ساکھ ظاہری اور مادی ساز وسامان سے نہیں بلکہ انسان کے ایمان، اخلاق اور کھرے معاملات کے نتیجے میں خود بخود قائم ہوتی ہے۔

خود کو حد سے اندر رکھنے یعنی "اسراف" سے بچنے اور سادگی اختیار کرنے کی ذمہ

داری مسلمان پر زندگی کے ہر معاملے میں ہے، "اسراف" صرف خرچ کرنے کے معاملے میں نہیں ہوتا بلکہ کھانے، سونے اور بولنے کے معاملے میں بھی ہوسکتا ہے یعنی انسان کھانے کے معاملے میں اس سے زیادہ کھاتا (یا بناتا) رہے جتنی کہ اس کی ضرورت ہے، سونے کے معاملے میں اپنی نیند کی جائز ضرورت سے تجاوز کرے، بولنے میں غیر ضروری طور پر اپنی بات کو طول دے یا ہر مسئلے پر ہر گھڑی کچھ نہ کچھ بولنے کی ضرور کوشش میں رہے اور کسی مجلس میں بلاوجہ بولنے اور ہر بات پر رائے زنی کی کوشش کرے تو یہ سب اسراف ہی کی صورتیں ہیں، مسلم معاشرے میں پائے جانے والے "اسراف" کے دو عمومی اسباب ہیں۔

پہلا، اپنے نفس کے مرغوبات کو نہ پہچان سکنا اور بلا سوچے سمجھے اس کی پیروی کرنا ہے یعنی اس کی خوش نودی کے لئے کسی کام کو اس کی اصولی حد سے اس طرح بڑھ کر کرنا کہ اس کے نتیجے میں کسی اور چیز کا اصولی مقام زندگی میں کم ہونے لگے۔

دوسرا، علم نافع اور شعور کی کمی یعنی اس بات کا تعین ہی نہ کر پانا کہ کسی جائز کام کی انجام دہی کی بھی جائز حد کیا ہوسکتی ہے اور اس حد سے آگے نکل جانے کے کیا نقصانات نفس، معاشرے اور ماحولیات پر مرتب ہو سکتے ہیں؟

صحابہ کرامؓ "اسراف" کے حوالے سے کس قدر حساس اور محتاط تھے، اس کا اندازہ اس واقعے سے ہوتا ہے، حضرت عمر فاروقؓ ایک دفعہ اپنے بیٹے کے پاس آئے، ان کے سامنے پکا ہوا گوشت سجا ہوا تھا، انہوں نے یہ دیکھ کر سوال کیا "یہ کیا ہے؟ بیٹے نے جواب

دیا مجھے گوشت کھانے کی خواہش تھی تو میں نے خرید لیا'' حضرت عمرؓ نے فرمایا'' تمہارا جس چیز کو دل چاہے گا تو کیا تم اسے ضرور کھاؤ گے؟ انسان کے اسراف کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ ہر وہ چیز کھائے جس کی اس کو چاہت ہو'' (کنز العمال: ۳۵۹۱۹)

اسراف نمود، تصنع اور تکلف کا شکار ہونے کے باعث سادگی لوگوں کے لئے ایک ناگوار معاملہ بن گیا ہے، "انفاق فی سبیل اللہ" کا جذبہ اور روح پامال ہو رہی ہے، انسانی تعلق کی پاکیزگی متاثر ہو رہی ہے اور اپنائیت کا احساس دشوار تر ہوتا جا رہا ہے، مسلمانوں کی توانائیاں، وقت، مال اور صلاحیتیں، اسراف، نمود، تصنع اور تکلف میں ضائع ہو رہی ہیں اور زندگی پیچیدہ اور بے معنی بنتی چلی جا رہی ہے، سب سے بڑھ کر یہ معاملات ریاء کاری، حرص، طمع اور حسد کو فروغ دینے کا باعث بنے ہیں اور جس کا نتیجہ مسلمانوں کی اخلاقی، نفسیاتی اور ایمانی صحت کی خرابی کی شکل میں قدم قدم پر ظاہر ہو رہا ہے حالانکہ قرآن کریم میں اس حوالے سے مسلمانوں کو بہت واضح تنبیہ کی گئی ہے:

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُبۡطِلُوۡا صَدَقٰتِكُمۡ بِالۡمَنِّ وَالۡاَذٰى، كَالَّذِىۡ يُنۡفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ، فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفۡوَانٍ عَلَيۡهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلۡدًا، لَا يَقۡدِرُوۡنَ عَلٰى شَىۡءٍ مِّمَّا كَسَبُوۡا، وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡكٰفِرِيۡنَ (البقرہ: ۲۶۴)

"اے ایمان لانے والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دُکھ دے کر اُس شخص کی طرح خاک میں نہ ملا دو، جو اپنا مال محض لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرتا ہے اور نہ اللہ

پر ایمان رکھتا ہے، نہ آخرت پر، اُس کے خرچ کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک چٹان تھی، جس پر مٹی کی تہہ جمی ہوئی تھی، اس پر جب زور کا مینہ برسا تو ساری مٹی بہہ گئی اور صاف چٹان کی چٹان رہ گئی، ایسے لوگ اپنے نزدیک خیرات کر کے جو نیکی کماتے ہیں، اس سے کچھ بھی اُن کے ہاتھ نہیں آتا اور کافروں کو سیدھی راہ دکھانا اللہ کا دستور نہیں ہے"

اسراف کا شکار ہونے والے انسان کو حُب مال، حُب جاہ، ریاء کاری میں مبتلاء ہونے اور اخلاص سے محروم ہو جانے کا بھی خطرہ لاحق رہتا ہے اور پھر اسے اپنے "اسراف" پر دوسروں سے تعریفیں سننے کا شوق پیدا ہوجاتا ہے، ریاء کاری سے مراد وہ نیکی ہے، جو لوگوں کو دکھانے کے لئے کی جائے، حُب مال اور ریاء کاری کوئی چھوٹے مسئلے نہیں ہیں، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے مطابق ''مومن کے ایمان کو برباد کرنے اور اس کی تمام نیکیوں کو کھا جانے والے مسائل ہیں'' (مسلم: ۴۹۷۲)

اسراف کے نتیجے میں اخلاص سے محرومی کیا نقصان کر سکتی ہے، اس کا اندازہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانِ مبارک سے ہوتا ہے جس کا مفہوم ہے "جو شخص اس علم کو، جس کے ذریعے اللہ کی رضا حاصل کی جاتی ہے، اس لئے سیکھتا ہے کہ اس سے دُنیا کا ساز و سامان حاصل کرے تو وہ قیامت کے دن جنّت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا" (البخاری: ۶۴۹۹)

ایک اور موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص دکھلاوے کے لئے کوئی عمل کرتا ہے تو اللہ قیامت کے دن اسے رُسوا کر دے گا اور جو کوئی نیک عمل لوگوں کی

نظروں میں بڑا بننے کے لئے کرتا ہے تو اللہ اس کے چھپے عیبوں کو لوگوں کے سامنے ظاہر کر دے گا“

وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ، وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا (النساء ۴:۳۸)

”اور (وہ لوگ بھی اللہ کو ناپسند ہیں) جو اپنے مال محض لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتے ہیں اور درحقیقت نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں نہ روزِ آخر پر، سچ یہ ہے کہ شیطان جس کا رفیق ہوا اُسے بہت ہی بُری رفاقت میسر آئی“

سادگی بے بسی اور مجبوری کا سودا یا سمجھوتہ نہیں ہے بلکہ یہ اپنی رضا اور شعور کے ساتھ اختیار کی جاتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی اصحاب ؓ ایسے تھے، جنہیں اللہ نے بہت مال و دولت سے نوازا تھا لیکن مال دار ہونے کے باوجود ان کا طرزِ زندگی پُرتعیش نہیں تھا، ان کا رہن سہن، خوراک اور لباس وغیرہ بہت سادہ تھے، صحابہ کرام ؓ نے اپنے مال کے ذریعے آسائشوں کا حصول نہیں کیا بلکہ اس کے ذریعے اپنی زندگی میں انفاق فی سبیل اللہ کو بڑھایا، ان کے مال کا ایک قلیل حصہ ان کی جائز ضروریات پر صرف ہوا اور بڑا حصہ خیر کے کاموں میں لگا۔

سادگی چونکہ انسان کا ایک فطری وصف ہے لہٰذا اس کو اختیار کرنے کی صلاحیت صرف اللہ کے ماننے والوں تک موقوف نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ سادگی کی یہ جھلک ہمیں بعض فطرت پسند غیر مسلموں میں نظر آتی ہے البتہ ایمان کے نتیجے میں جو سادگی کا حُسن و

معیار قائم ہوسکتا ہے، وہ کچھ اور ہی ہوتا ہے، عہد حاضر کے معاشرے اس وقت اپنے طرزِ زندگی سے سادگی کا مظاہرہ کرنے سے نہ صرف قاصر ہیں بلکہ اختیاری سادگی کا کوئی تصور بھی نہیں رکھتے، ایک مسلمان جو کچھ بھی اپناتا اور اپنے لئے پسند کرتا ہے، اس کے لئے اس کے پاس کوئی ایسی توجیہ ہونی چاہئے کہ وہ خدا کے لئے قابلِ قبول ہو، اگر مسلمانوں میں اپنے عمل کی جواب دہی کا یہ احساس پیدا ہوجائے تو سادگی اس کے فطری نتیجے کے طور پر رواج پائے گی، جواب دہی کے احساس سے عاری ہو جانے کا نتیجہ نفاق کی صورت میں نکلتا ہے اور انسان کو اللہ کی یاد سے غافل کر دیتا ہے، اس کے طرزِ زندگی سے لے کر مراسمِ عبودیت تک سب کچھ دکھاوے کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ، وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى، يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا (النساء: ۱۴۲)

”یہ منافق اللہ کے ساتھ دھوکا بازی کر رہے ہیں حالانکہ در حقیقت اللہ ہی نے انہیں دھوکا میں ڈال رکھا ہے، جب نماز کے لئے اُٹھتے ہیں تو کسمساتے ہوئے محض لوگوں کو دکھانے کی خاطر اُٹھتے ہیں اور خدا کو کم ہی یاد کرتے ہیں“

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے احکام اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ نمائی پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائے (آمین)

طوفان الاقصیٰ

تاریخ ساز معرکہ، جس نے صہیونی ریاست کے گھمنڈ کو
پاش پاش کیا
مزاحمت کو سیاسی و عسکری حقیقت کے طور پر منوایا، اور
صہیونی منصوبے کے اندرونی زوال کی بنیاد رکھ دی۔

اُم عفراء

7 اکتوبر سنہ 2023ء کو دو برس گزر چکے ہیں جب طوفان الاقصیٰ نے صہیونی دشمن کے غرور کو خاک میں ملایا۔ آج

سچائیاں پہلے سے کہیں زیادہ واضح ہیں۔ جو کچھ غزہ میں ہوا اور اب تک ہو رہا ہے، وہ محض کسی وقتی ردعمل یا جنگی جنون کا نتیجہ نہیں بلکہ ایک ایسی ذہنیت اور سیاسی سوچ کا پردہ چاک ہے جو صہیونی استعماری منصوبے کی گہرائی کے اندر پیوست ہے۔ یہ وہ منصوبہ ہے جو فلسطینی وجود ہی کا انکار کرتا ہے اور اسے مٹانے کے لیے نسل کشی اور اجتماعی قتل عام کی ایک ایسی لامتناہی سلسلہ چلا رہا ہے جس کی کڑیاں نکبہ 1948ء، دَیر یاسین، کفر قاسم، صبرا و شاتیلا کے قتل عام سے جڑتی ہیں، پھر سنہ 2018ء کی واپسی مارچوں تک پھیلی ہوئی ہیں، اور آج جاری غزہ کی مکمل تباہی پر منتج ہو رہی ہیں۔

چوبیس مہینے گزرنے کے بعد جب شہداء اور زخمیوں کی تعداد اڑھائی لاکھ سے تجاوز کر چکی ہے، جن میں دسیوں ہزار معصوم بچے شامل ہیں قابض اسرائیل کے ہاتھوں خون کی یہ ہولی تھم نہیں سکی۔ غزہ کی سرزمین، اس کے ہسپتال، سکول، مساجد، کلیسائیں کچھ بھی محفوظ نہیں رہا۔ ہر چیز کو راکھ کر دیا گیا۔ دشمن اپنے جرائم کو جھوٹے بہانوں سے ڈھانپتا رہا، مگر یہ پردہ بھی اب دنیا کے سامنے چاک ہو چکا ہے۔ اب پوری دنیا جان چکی ہے کہ ''مقاومت'' کو جواز بنا کر جو تباہی مچائی جا رہی ہے، وہ دراصل نسل کشی کے بڑے منصوبے پر پردہ ڈالنے کی ایک چال ہے، تاکہ فلسطینیوں کے وجود کو صفحۂ ہستی سے مٹایا جا سکے۔

ایک تاریخی انکشاف کی گھڑی

قابض اسرائیل صرف فلسطینیوں پر نہیں چڑھ دوڑا بلکہ اپنے اتحادیوں کے ساتھ، جن میں سرِ فہرست امریکہ ہے، پورے خطے کی جغرافیائی حدود از سرِ نو کھینچنے کی کوشش میں ہے۔

یہ توسیع پسندانہ منصوبہ پورے مشرق وسطیٰ کے امن کو چیر پھاڑ کر رکھ دینا چاہتا ہے۔ اب اسرائیل کا خطرہ محض فلسطینیوں تک محدود نہیں رہا بلکہ عالمی خودمختاری کے لیے بھی ایک چیلنج بن چکا ہے۔ خود نیتن یاھو نے جب ''گریٹر اسرائیل'' کے قیام کی بات کی، تو اس نے دراصل ایک نئی، خاموش عالمی جنگ کا اعلان کیا۔

مگر سات اکتوبر نے فلسطین کو ایک بار پھر عالمی سیاست کے مرکز میں لا کھڑا کیا۔ اس دن نے صہیونی برتری کے اس افسانے کو پاش پاش کر دیا جو دہائیوں سے پروپیگنڈے کے ذریعے دنیا کے ذہنوں میں بٹھایا گیا تھا۔ اسرائیل کا دفاعی نظام، جسے ناقابلِ تسخیر سمجھا جاتا تھا، زمین بوس ہو گیا۔ جھوٹ، دھوکے اور فریب پر قائم اس کی تشہیری مشینری کا پول دنیا کے سامنے کھل گیا۔ مغربی طاقتوں کی دوغلی پالیسیاں، جو ہمیشہ قابض اسرائیل کے جرائم پر پردہ ڈالتی رہیں، ننگی ہو گئیں۔ سات اکتوبر نے فلسطینی مزاحمت کو ایک ناقابلِ نظر انداز حقیقت کے طور پر دنیا کے سامنے منوایا۔ اس نے عرب و اسلامی شعور کو از سرِ نو زندہ کیا، تعلقات کے جعلی پل پاش پاش کر دیے، اور فلسطین کو ایک بار پھر امتِ مسلمہ کے دل کی دھڑکن بنا دیا۔

مزاحمت کی بہادری، فلسطینی عوام کے ناقابلِ یقین صبر و ثبات، اور آہنی حوصلوں کی وہ تصویریں جو آگ اور خون کے بیچ سے ابھریں، آج دنیا بھر کے آزاد مردوں کے لیے ایمان اور حوصلے کی نئی داستان بن چکی ہیں۔ انھی مناظر نے قابض اسرائیل کی درندگی، نازی طرزِ ظلم اور انسان دشمنی کو بے نقاب کر دیا۔

سات اکتوبر کیوں؟ کیا مزاحمت نے قابض اسرائیل کے ردِ عمل کی شدت کا اندازہ

لگا یا تھا؟

غزہ پر مسلط محاصرے کے سترہ برس بعد سات اکتوبر کا دن ایک تاریخی دھماکے کی صورت میں نمودار ہوا۔ وہ محاصرہ جس نے پورے خطے کو ایک کھلی جیل میں بدل دیا تھا، جہاں دو اعشاریہ چار ملین فلسطینی سیاسی، معاشی اور انسانی طور پر دم گھٹنے کے عالم میں جی رہے تھے، جبکہ دنیا کے ضمیر پر مجرمانہ خاموشی طاری تھی۔

طوفان الاقصیٰ دراصل ظلم، تکبر اور محاصرے کے خلاف ایک زوردار چیخ تھی۔ ایک اعلانِ وجود کہ فلسطینی قوم آج بھی زندہ ہے، سانس لے رہی ہے، اور ذلت و غلامی کے اندھیروں میں بھی عمل کی قوت رکھتی ہے۔ یہ کوئی وقتی حادثہ یا جنونیت پر مبنی مہم نہیں تھی، بلکہ استعمار، قبضے اور جبری تسلط کے اُس طویل تاریخی پس منظر کا فطری تسلسل تھی جو سنہ 1948ء کی نکبت سے شروع ہوا۔

مزاحمت کو بخوبی علم تھا کہ اس کے جواب میں ایک بڑی جنگ چھڑ سکتی ہے، مگر جو کچھ بعد میں سامنے آیا، وہ ہر سیاسی، اخلاقی اور انسانی تصور سے کہیں بڑھ کر تھا۔ قابض اسرائیل نے جو کچھ کیا وہ کسی ''ردِ عمل'' کے زمرے میں نہیں آتا بلکہ ایک مکمل نسل کشی کا منصوبہ تھا۔ ایسا منصوبہ جو انسانی فہم سے بالاتر ہے۔

کسی نے بھی یہ نہیں سوچا تھا کہ غزہ کو دوسری عالمی جنگ کے بعد بدترین اجتماعی قتل گاہ میں بدل دیا جائے گا۔ کوئی نارمل انسانی ذہن یہ گمان نہیں کر سکتا کہ خود کو ''ریاست'' کہنے والا ایک وجود اتنی گہرائی میں درندگی، قتل اور تباہی کی انتہا تک جا سکتا ہے۔

سات اکتوبر نے قابض اسرائیل کے ''سکیورٹی شعور'' کی بنیادیں ہلا دیں۔ اس کے فولادی حصاروں، سیمنٹ کی دیواروں اور ٹیکنالوجی کی ناقابلِ تسخیر دیومالائی کہانیوں کو مزاحمت نے ریزہ ریزہ کر دیا۔ طوفانِ اقصیٰ نے ثابت کیا کہ جب ایک قوم آزادی کے عزم پر قائم ہو تو کوئی آہنی باڑ، کوئی حفاظتی نظام، کوئی مصنوعی ذہانت اس کے راستے کی دیوار نہیں بن سکتی۔

دوسری جانب قابض اسرائیل نے بھی دنیا کو دھوکا دیا۔ اُس نے اپنے جارحانہ منصوبے کو ''جوابی کارروائی'' کا نام دے کر پیش کیا، حالانکہ وہ ایک پرانا منصوبہ تھا۔ غزہ اور پوری فلسطینی سرزمین کو اہلِ وطن سے خالی کر کے ''گریٹر اسرائیل'' کے خواب کو عملی جامہ پہنانا۔ یہ وہی پرانا مکروہ صہیونی ایجنڈا تھا جس نے ہمیشہ زمین کو آبادیاں ہضم کر کے ''بغیر قوم کی زمین'' بنانے کی کوشش کی۔

طوفانِ اقصیٰ دراصل ایک پیشگی وارننگ تھی، ایک صریح پیغام کہ فلسطینی قوم کو مٹا دینا آسان نہیں۔ اس نے ثابت کر دیا کہ یہ قابض اسرائیل ہی تھا جس کے دل میں ابتدا سے ہی نسل کشی کا ارادہ پنہاں تھا۔ اس لحاظ سے سات اکتوبر اُس ذہنیت کا ''انکشاف'' تھا، اُس کا آغاز نہیں۔

یوں مزاحمت نے قابض اسرائیل کو اُس کے سب سے حساس میدان میں مات دی اُس کی نام نہاد سکیورٹی میں۔ اور قابض اسرائیل نے دنیا کو اپنے فریب زدہ بیانیے سے

بھڑکایا تا کہ پہلے سے تیار شدہ قتلِ عام کو ''ردِعمل'' کے پردے میں چھپا سکے۔

آخرکار وہ نقاب اتر گیا۔ تزویراتی فریب کا اختتام اس انکشاف پر ہوا کہ صہیونی منصوبہ دراصل نسل کشی پر ہی قائم ہے۔

سات اکتوبر: صہیونی ذہنیت کا پردہ چاک

قابض اسرائیلی قیادت کے بیانات نے انسانیت دشمنی کی وہ انتہا دکھا دی جو شاید تاریخ نے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ انہوں نے نہ صرف فلسطینی انسان کو ''انسان'' ماننے سے انکار کیا بلکہ اُس کے خون، اُس کے حقِ حیات اور اُس کے وجود کو بھی بے وقعت قرار دے دیا۔

قابض اسرائیل کے سابق وزیرِ جنگ یوآف گالانت کا یہ بیان کہ ''ہم انسان نما جانوروں سے لڑ رہے ہیں اور اسی طرح برتاؤ کریں گے'' صرف لفظ نہیں، ایک ذہنیت کا اظہار ہے وہی ذہنیت جو ہر سطح پر فلسطینی کے وجود کو مٹانے کے درپے ہے۔

اسی طرح صہیونی اراکینِ پارلیمان کی زبانوں سے یہ الفاظ نکلے کہ ''غزہ کو جلا دینا ہی واحد حل ہے''، ''ہمیں پورے غزہ کو زمین سے مٹا دینا چاہیے''۔

قابض اسرائیل کے وزیرِ خزانہ بزلئیل سموٹریچ نے اعلان کیا کہ ''فلسطینی نام کی کوئی قوم موجود نہیں'' اور یہ کہ ''غزہ کو ملبے کا ڈھیر بنا دیا جائے گا، وہاں پتھر پر پتھر نہ چھوڑا جائے''۔

صہیونی وزیرِ وراثت عمیحای الیاہو نے تو یہاں تک کہا کہ ''ہمیں موت سے زیادہ

تکلیف دہ راستے تلاش کرنے چاہئیں، قتل کافی نہیں'' یہ وہ جنون ہے جو قابض اسرائیل کے اقتدار کے ایوانوں میں کھلے عام بولا جا رہا ہے۔

قابض صہیونی رہنماؤں کی درندگی بچوں تک کو نہیں بخشتی۔ رکنِ پارلیمان موشے فیغلن کے الفاظ تھے کہ ''غزہ کا ہر بچہ دشمن ہے، ہمیں غزہ پر قبضہ کر کے اس کے بچوں کو ختم کرنا ہوگا''۔

ایتمار بن گویر نے کہا کہ ''ہم ایک گرام بھی امداد داخل نہیں ہونے دیں گے، غزہ کو زمین کے برابر کر دینا چاہیے، وہاں کوئی معصوم نہیں''۔

جبکہ بزلئیل سموٹریچ نے اعتراف کیا کہ ''غزہ کے لوگوں کو بھوکا مرنے دینا ایک اخلاقی اور درست فیصلہ ہوسکتا ہے''۔

یوں قابض اسرائیل نے کھلے عام بھوک، قحط اور اجتماعی سزا کو جنگی ہتھیار کے طور پر استعمال کرنے کا اعلان کر دیا۔

مذاکرات کا فریب

گذشتہ دو برسوں کے دوران مختلف فریقین نے جنگ بندی اور قیدیوں کے تبادلے کے لیے کئی کوششیں کیں۔ مزاحمتی قوتوں، بالخصوص تحریکِ حماس نے غیر معمولی لچک اور مشکل فیصلوں کا مظاہرہ کیا۔ مگر بنجمن نیتن یاھو کی انتہا پسند حکومت نے جان بوجھ کر ان کوششوں کو ناکام بنایا۔

اس کا مقصد قیدیوں کی رہائی نہیں بلکہ اپنی اندرونی سیاست اور اقتدار کو بچانا تھا۔

قابض اسرائیل نے قطر سمیت ثالث ممالک کی سرزمین پر بھی بمباری کر کے اپنے عزائم عیاں کیے۔

یوں واضح ہو گیا کہ مذاکرات کا ڈھونگ دراصل نسل کشی کو طول دینے اور سیاسی فائدے سمیٹنے کا ذریعہ ہے۔

یہی نہیں، قابض اسرائیل نے مذاکراتی عمل کو قتل عام کے پردے کے طور پر استعمال کیا۔ بار بار کی پسپائیاں، اچانک مذاکراتی وفود کی واپسی، اور پھر جنگ کا ازسرِ نو آغاز یہ سب ایک منصوبے کا حصہ تھے۔

سنہ 2025ء کے 18 مارچ کو قابض حکومت نے جنگ بندی معاہدے کو سبوتاژ کر کے غزہ پر بھرپور بمباری کی۔ بنجمن نیتن یاھو نے اعلان کیا کہ ''اب کوئی مذاکرات نہیں ہوں گے، صرف آگ کے نیچے''۔

ساتھ ہی خوراک، ادویات اور امداد کی ترسیل روک دی گئی، اور غزہ کے عوام پر دانستہ قحط مسلط کر دیا گیا۔

یوں دنیا پر آشکار ہو گیا کہ قابض اسرائیل کے نزدیک مذاکرات محض ایک نقاب تھے، اصل مقصد مکمل تباہی، آبادی کی جبری نقل مکانی اور فلسطین کے نقشے کو طاقت کے زور پر ازسرِ نو ترتیب دینا تھا۔

کیا طوفانِ اقصیٰ کی تحسین ہونی چاہیے یا نسل کشی کا مقابلہ؟

طوفانِ اقصیٰ صرف ایک فوجی معرکہ نہیں بلکہ فلسطینی تاریخ کا زندہ استعارہ ہے۔

محض جذبات نہیں، ایک فکری مزاحمت ہے تاکہ شہداء کی قربانیاں فراموش نہ ہوں اور دشمن اپنی سازشوں سے فلسطینی شناخت کو مٹا نہ سکے۔

تاہم یہ اُس وقت معنی خیز بنتی ہے جب وہ شعور اور عمل کے ساتھ جڑی ہو۔ بصورت دیگر یہ محض جشن بن کر رہ جاتی ہے۔

طوفانِ اقصیٰ کو یاد رکھنا لازم ہے، مگر ساتھ ہی ہمیں جاری نسل کشی کا مقابلہ ہر ممکن سیاسی، سفارتی، قانونی اور انسانی محاذ پر کرنا ہوگا۔

یہ وقت صرف یاد منانے کا نہیں بلکہ عالمی رائے عامہ کو متحرک کرنے، قابض اسرائیل کے جرائم کو عالمی عدالتوں میں لے جانے اور فلسطینی عوام کی بقا کے لیے اجتماعی جدوجہد کا ہے۔

اصل راستہ یہی ہے طوفانِ اقصیٰ کو ایک علامت اور منصوبہ دونوں کے طور پر زندہ رکھا جائے۔ تاکہ یہ قربانیاں مستقبل کے لیے بنیاد بنیں، مایوسی نہیں۔

طوفانِ اقصیٰ کی کامیابیاں

اول طوفانِ اقصیٰ نے صہیونی منصوبے کے دل پر کاری ضرب لگائی۔ قابض اسرائیل کے اندرونی سماج نے پہلی بار اپنے بقا کے یقین کو متزلزل ہوتے دیکھا۔

اس کی سکیورٹی اور انٹیلی جنس مشینری کی ''ناقابلِ تسخیر'' تصویر ٹوٹ گئی، داخلی انتشار بڑھا، اور عوام کا اپنی قیادت پر اعتماد کمزور پڑ گیا۔

دوم، عالمی سطح پر قابض اسرائیل کی جھوٹی شبیہ بکھر گئی۔ اب دنیا اسے مشرقِ وسطیٰ کی

''واحد جمہوریت''، نہیں بلکہ نسل کشی، بربادی اور جنگی جرائم کی علامت کے طور پر دیکھ رہی ہے۔

اس کا نام عالمی عدالتِ انصاف اور عالمی فوجداری عدالت کے مقدمات میں درج ہو چکا ہے۔

سوم، علاقائی اور بین الاقوامی سطح پر اب کوئی بھی ریاست قابض اسرائیل کے ساتھ تعلقات کو اخلاقی بوجھ سے آزاد نہیں سمجھ سکتی۔ اس کے جنگی جرائم نے اسے عالمی سطح پر تنہا کر دیا ہے۔

چہارم، صہیونی بیانیے کی اجارہ داری ختم ہوگئی۔

اب دنیا فلسطینیوں کی کہانی سن رہی ہے، قابض اسرائیل کے جھوٹے پروپیگنڈے نہیں۔

پنجم، طوفانِ اقصیٰ نے فلسطین کو عالمی سیاست کے مرکز میں واپس لا کھڑا کیا۔

وہ مسئلہ جو برسوں پس منظر میں دھکیل دیا گیا تھا، آج دوبارہ ہر فورم پر زیرِ بحث ہے۔

ششم، اس نے عرب اور اسلامی شعور کو زندہ کر دیا۔

فلسطین ایک بار پھر امتِ مسلمہ کے دل میں دھڑکنے لگا ہے۔

ہفتم، طوفانِ اقصیٰ نے مزاحمت کی حیثیت کو مستحکم کر دیا وہ قوت جو قابض اسرائیل کی برتری کے طلسم کو توڑ سکتی ہے۔

ہشتم، اس نے فلسطینی قومی وحدت کو نئی معنویت بخشی۔

طوفان نے بتا دیا کہ دشمن کا ہدف پورا فلسطینی وجود ہے، چاہے وہ غزہ میں ہو یا مغربی کنارے میں۔

نہم، اس نے مغرب کے دوہرے معیار کو بے نقاب کر دیا۔

قابض اسرائیل کے حق میں دی جانے والی اندھی حمایت نے مغربی اقدار کے کھوکھلے پن کو ظاہر کر دیا۔

دہم، طوفانِ اقصیٰ نے دنیا کو الفاظ کے نئے معنی سکھائے۔

اب یہ صرف ''تنازع'' نہیں بلکہ ''قبضہ''، ''نسل کشی'' اور ''جنگی جرائم'' کے طور پر پہچانا جا رہا ہے۔

گیارہواں، اس نے نام نہاد ''امن'' اور ''تطبیع'' (رسمی تعلق/ معاہدہ) کے منصوبوں کو چیلنج کر دیا۔

اب واضح ہو گیا ہے کہ فلسطینی حقوق کو نظر انداز کر کے کوئی استحکام ممکن نہیں۔

بارہواں، طوفانِ اقصیٰ نے فلسطین کو ایک بار پھر عالمی مرکزیت بخشی، قابض اسرائیل کو نسل کشی کی ریاست کے طور پر بے نقاب کیا، مزاحمت کو سیاسی و عسکری حقیقت کے طور پر منوایا، اور صہیونی منصوبے کے اندرونی زوال کی بنیاد رکھ دی۔

مسجد اقصیٰ

مسئلہ فلسطین کا حل مسجد اقصیٰ کی آزادی میں ہے، اگر ہم مسجد اقصیٰ سے اسرائیل کا قبضہ ختم نہیں کرا سکتے تو کم از کم ہمیں اس مشکل وقت میں۔۔۔۔
اہل غزہ اور قائد اعظم کے نظریے کیساتھ بے وفائی تو نہیں کرنی چاہئے۔

اخت سعد

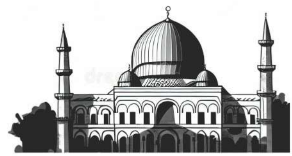

یہ کہانی بہت لمبی اور پرانی ہے، اس کہانی میں غیروں کے دھوکے بھی ہیں اور اپنوں کی بے وفائیاں بھی تاہم ایک ایسے شخص کا ذکر بھی آتا ہے جسے اہل فلسطین نے مشکل وقت میں

بار بار پکارا اور وہ فلسطینیوں کیلئے برطانوی سامراج کے سامنے کھڑا ہو گیا، اس شخص کا نام محمد علی جناح تھا جسے پاکستان میں قائد اعظم اور بابائے قوم کہا جاتا ہے۔

آج میں آپکو اس لمبی کہانی کا ایک ایسا واقعہ سنانا چاہتا ہوں جو پرانی کتابوں اور دستاویزات میں چُھپا دیا گیا اور پاکستان کی حکمران اشرافیہ نے کبھی اپنی تقریروں میں اس واقعے کا ذکر نہیں کیا، یہ اُس دور کی بات ہے جب پہلی جنگ عظیم کے بعد خلافت عثمانیہ ختم ہو چکی تھی اور فلسطین پر برطانیہ نے قبضہ کر لیا تھا۔

برطانیہ نے فلسطین پر اپنے ناجائز قبضے پر لیگ آف نیشنز سے نگران انتظامیہ کا ٹھپہ لگوا رکھا تھا، برطانیہ کی قابض فوج نے اپنے حقوق کیلئے آواز اُٹھانے والے فلسطینیوں کو سزائے موت دینے کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا، 3 فروری 1940ء کو فلسطین کی سپریم عرب کمیٹی کی طرف سے مفتی اعظم فلسطین مفتی امین الحسینی نے قائد اعظم محمد علی جناح کو ایک خط لکھا اور انہیں برطانوی انتظامیہ کی فوجی عدالتوں سے سزائے موت پانے والے بیس فلسطینیوں کے کوائف بھیجے۔

خط میں بتایا گیا کہ فوجی عدالتوں میں بہت سے دیگر فلسطینیوں کے مقدمات بھی زیر سماعت ہیں اور انہیں بھی سزائے موت دیئے جانیکا خدشہ ہے، مفتی امین الحسینی نے قائد اعظم سے درخواست کی کہ فلسطینیوں کیساتھ ہونیوالی ناانصافی پر آواز بلند کی جائے۔

قائد اعظم نے یہ خط آل انڈیا مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے سامنے رکھا جس کے بعد 24 فروری 1940ء کو قائد اعظم نے وائسرائے آف انڈیا لارڈ لین لتھگو کو ایک خط لکھا جس

میں اُن سے مطالبہ کیا گیا کہ فلسطینیوں کیساتھ بات چیت کے ذریعے معاملات طے کئے جائیں، خط میں یہ مطالبہ کیا گیا کہ برطانوی فوج میں شامل ہندوستانی سپاہیوں کو کسی مسلم طاقت کے خلاف استعمال نہ کیا جائے۔

اسکے بعد 23 مارچ 1940ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کا لاہور میں سالانہ اجلاس ہوا جس میں مسلمانوں کیلئے ایک علیحدہ وطن کے قیام کے ساتھ ساتھ فلسطینیوں کے حق میں بھی قرارداد منظور کی گئی، قیام پاکستان اور تحفظ فلسطین کی جدوجہد ساتھ ساتھ چل رہی تھی، 19 اپریل 1940ء کو وائسرائے لین لتھگو نے قائداعظم کے نام خط میں انہیں یقین دلایا کہ ہندوستانی سپاہیوں کو کسی مسلم طاقت کے خلاف استعمال کرنیکا کوئی امکان نہیں لیکن انکے جواب میں فلسطین کا ذکر نہیں تھا۔

29 مئی 1940ء کو قائداعظم نے وائسرائے کو ایک اور خط لکھا اور مفتی امین الحسینی کے خط کا حوالہ دیکر فلسطین میں فوجی عدالتوں کے ذریعے ہونیوالی ناانصافی بند کرنیکا مطالبہ کیا، وائسرائے لین لتھگو نے 27 جون 1940ء کو قائداعظم کے نام جواب میں مفتی امین الحسینی کے خلاف بڑی سخت زبان استعمال کی اور کہا کہ یہ شخص ہمیشہ سے فلسطین میں برطانوی انتظامیہ کا مخالف رہا ہے اور وہاں ہونیوالی دہشت گردی کا ذمہ دار ہے، اس نے لکھا کہ اُسکو فلسطین واپسی کی اجازت نہیں دی جائیگی۔

وائسرائے نے اپنے جواب میں قائداعظم کو تاکید کی کہ اُنکا خط مفتی امین الحسینی کیساتھ شیئر نہ کیا جائے، یہ قائداعظم کیلئے ایک اشارہ تھا کہ مفتی امین الحسینی برطانوی

حکومت کیلئے انتہائی ناپسندیدہ شخصیت ہیں لیکن اسکے بعد بھی قائداعظم نے مفتی امین الحسینی کے ساتھ اپنے تعلقات برقرار رکھے، دوسری جنگ عظیم میں مفتی امین الحسینی نے کھلم کھلا ہٹلر کی حمایت کی۔

برطانیہ نے انہیں دہشت گرد قرار دیدیا لیکن قائداعظم فلسطین فنڈ کے ذریعہ اُنکی مدد کرتے رہے، 1937ء اور 1947ء کے دوران مفتی امین الحسینی کے قائداعظم کے نام کئی خطوط موجود ہیں جن میں قائداعظم سے درخواست کی گئی کہ 27 رجب کو (واقعہ معراج کا دن) یوم فلسطین منایا جائے، قائداعظم نے مفتی امین الحسینی کے کہنے پر بار بار 27 رجب کو یوم فلسطین منایا۔

27 رجب کو یوم فلسطین منا کر قائداعظم اور مسلم لیگ بار بار مسجد اقصیٰ کیساتھ اپنی محبت کا اظہار کرتے رہے کیونکہ شب معراج کو نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خانہ کعبہ سے مسجد اقصیٰ لیجایا گیا تھا، پھر جب برطانیہ اور امریکا کی کوششوں سے اقوام متحدہ کے ذریعے تقسیم فلسطین کی قرارداد منظور ہوئی اور اسرائیل قائم کیا گیا تو قائداعظم نے تقسیم فلسطین کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔

حکومت پاکستان بے شک تقسیم فلسطین کو دو ریاستی حل قرار دیکر اسکی حمایت کرتی ہے لیکن قائداعظم کی طرف سے امریکی صدر ٹرومین کے نام دسمبر 1947ء میں لکھے جانیوالے خط میں اسرائیل کے وجود سے انکار کو جذباتیت قرار دیکر مسترد نہیں کیا جاسکتا، جب تک مسجد اقصیٰ سے اسرائیل کا قبضہ ختم نہیں ہوتا اسرائیل کو تسلیم کرنا قائداعظم کیساتھ

غداری ہے۔

پاکستان کے وزیراعظم ایک طرف تو ایسی آزاد فلسطینی ریاست کا مطالبہ کرتے ہیں جس کا دارالحکومت القدس شریف ہو، دوسری طرف یروشلم میں امریکی سفارتخانہ قائم کرنیوالے ٹرمپ کے غزہ امن پلان کی اندھادھند حمایت کررہے ہیں، وزیرخارجہ کا فرمانا ہے کہ جولوگ ٹرمپ کے امن پلان کی مخالفت کررہے ہیں وہ دراصل فلسطینیوں کے خون پر اپنی سیاست چمکارہے ہیں۔

ان کو جذباتی باتیں نہیں کرنی چاہئیں بلکہ دلیل سے بات کرنی چاہیئے، وہ ٹرمپ جو یروشلم سے امریکی سفارتخانہ واپس تل ابیب لیجانے کیلئے تیارنہیں وہ ایک ایسی فلسطینی ریاست کے قیام کی حمایت کیسے کرے گا جسکا دارالحکومت القدس شریف ہو؟ سب سے اہم بات یہ ہے کہ بہت سے امریکی مبصرین یہ سوال اُٹھارہے ہیں کہ غزہ کے عوام کی اصل نمائندہ حماس ہے جب تک حماس اس ٹرمپ پلان کی حمایت نہیں کرتی تو اس پر عملدرآمد کیسے ہوگا؟ فلسطینی اتھارٹی کا تعلق تو پی ایل او سے ہے۔

اگر پی ایل اوٹرمپ پلان کی حمایت اور حماس مخالفت کریگی تو اسکا مطلب یہ ہے کہ ٹرمپ پلان سے فلسطینیوں کو تقسیم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، میری اطلاع یہ ہے کہ نیتن یاہو فی الحال تو آزاد فلسطینی ریاست کو تسلیم کرنے کیلئے تیارنہیں لیکن کچھ دن بعد وہ کہیں گا کہ اگر کچھ اہم مسلم ممالک اسرائیل کو تسلیم کرلیں تو وہ بھی ایک فلسطینی ریاست کو تسلیم کرلیں گا لیکن وہ مسجد اقصیٰ کا قبضہ نہیں چھوڑیں گے۔

وہ صاحبانِ دانش جو ٹرمپ کے غزہ پلان کو مسئلہ فلسطین کے حل کی طرف اہم قدم قرار دے رہے وہ یہ بتا دیں کہ جب تک مسجد اقصیٰ سے اسرائیل کا ناجائز قبضہ ختم نہیں ہوتا مسئلہ فلسطین کیسے حل ہوسکتا ہے؟ حماس کو غیر مسلح کرنے یا حماس کو ختم کر دینے سے مشرق وسطیٰ میں امن قائم نہیں ہوگا۔

1947ء میں مغربی طاقتوں نے مفتی امین الحسینی کو دہشت گرد قرار دیکر فلسطین بدر کر دیا، اُن کا انتقال بیروت میں ہوا، انہیں غزہ میں دفن بھی نہ کرنے دیا گیا، کیا وہاں امن قائم ہوا؟ مفتی امین الحسینی کی شروع کردہ مزاحمت کا نیا نام حماس ہے جسے اسرائیل اور امریکا دہشت گرد کہتے ہیں اس کو فلسطین سے کیسے مائنس کیا جاسکتا ہے؟ جب تک مسجد اقصیٰ سے اسرائیل کا قبضہ ختم نہیں ہوتا حماس ختم نہیں ہوسکتی۔

اسرائیل فلسطینیوں کی موجودہ نسل کو تو ختم کر سکتا ہے لیکن اُنکی اگلی نسل پھر مزاحمت شروع کر دیگی، مسئلہ فلسطین کا حل ٹرمپ یا ٹونی بلیئر کے پاس نہیں۔

مسئلہ فلسطین کا حل مسجد اقصٰی کی آزادی میں ہے، اگر ہم مسجد اقصیٰ سے اسرائیل کا قبضہ ختم نہیں کرا سکتے تو کم از کم ہمیں اس مشکل وقت میں۔۔۔۔

اہل غزہ اور قائداعظم کے نظریے کیساتھ بے وفائی تو نہیں کرنی چاہئے۔

غزہ کا جذبہ

بنت ارشد

غزہ

غزہ کے جنوب سے شمال تک پھیلی شاہراہ پر ہزاروں فلسطینی شہریوں کا جمِ غفیر رواں دواں ہے۔ یہ منظر بھلائے نہیں

بھولے گا۔ مرد، عورتیں اور بچے گرد آلود قدموں کے ساتھ مگر آنکھوں میں امید کی چمک لیے آگے بڑھ رہے ہیں۔ یہ کوئی عام واپسی نہیں بلکہ ایک واضح اعلان ہے کہ قابض اسرائیل کی نسل کشی اور جبری بے دخلی کی سازش فلسطینیوں کے عزمِ بقا کے سامنے شکست کھا گئی ہے۔

دکھ اور خوشی کے ملے جلے جذبات

جیسے ہی نسل کشی کی اس جنگ کے رکنے کا اعلان ہوا، جنوبی غزہ کی بے گھر خیمہ بستیوں سے عورتوں کی آوازیں بلند ہوئیں، نوجوانوں نے پرچم اٹھا لیے، نعرے گونجے اور بچے خوشی سے دوڑتے نظر آئے۔

ان خوشیوں کے درمیان دیر البلح کی شہری ام محمود مہنا جو اپنے آبائی علاقے غزہ کے محلہ الزیتون واپس جانے کی تیاری میں ہیں، نے نامہ نگار سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ "دنیا میں کوئی چیز ہمارے گھر کی جگہ نہیں لے سکتی۔ چاہے وہ ملبے میں بدل گیا ہو، ہم واپس جائیں گے، پتھروں کو بچھائیں گے اور انہی پر سوئیں گے۔

ہم نقل مکانی سے تھک گئے ہیں، مگر اپنی زمین پر قدم رکھتے ہی زندگی کا نیا سانس ملتا ہے"۔

یہ مٹی ہماری ہے، کسی اور کی نہیں

خان یونس سے غزہ تک واپسی کے قافلے ساحلی سڑک پر رواں ہیں۔ لوگ میلوں پیدل چل رہے ہیں، جو کچھ باقی سامان ہے وہ بچوں کی گاڑیوں یا چھوٹی ریڑھیوں پر رکھ کر یا اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے ہیں۔

راستے میں باون سالہ ابورامی یاغی اپنے دو بچوں کے ہمراہ ایک پرانی پھٹی ہوئی بیگ گھسیٹتے دکھائی دیے۔ وہ کہتے ہیں کہ "تھکن کی کوئی پرواہ نہیں، اصل بات یہ ہے کہ ہم واپس جا رہے ہیں۔

ہم نے راستے کو یادوں کے قدموں سے ناپا ہے۔ چاہے گھر مٹی میں مل گیا ہو، مگر یہ مٹی ہماری ہے، کسی اور کی نہیں"۔

جبری بے دخلی کا دوٹوک انکار

شاطی مہاجر کیمپ میں اپنے اجڑے گھر کے ملبے پر کھڑی 33 سالہ لیان مقداد جو جنوبی غزہ سے پیدل چل کر واپس پہنچی ہیں آنسوؤں میں ڈوبی کہتی ہیں

کہ ہم سے کہا گیا کہ" مصر چلے جاؤ، جنوب جاؤ، کہیں بھی جاؤ، مگر ہم صرف غزہ چاہتے ہیں۔ شاید گھر نہیں رہا مگر زندگی کا مطلب یہیں باقی ہے۔ ہمارا بقا ہی ان تمام جبری بے دخلی کی کوششوں کا جواب ہے"۔

یہ انکار کوئی وقتی جذبہ نہیں بلکہ اجتماعی مزاحمت کی علامت ہے۔ ہر وہ فلسطینی جو اپنے اجڑے گھر واپس آیا ہے، وہ استقامت کے ایک نئے باب کا عنوان بن گیا ہے۔

یہ ثابت کر رہا ہے کہ جبری بے دخلی کبھی حقیقت نہیں بن سکتی۔

تباہی گواہ ہے، لوگ بھی گواہ ہیں

غزہ شہر کے جنوب مغرب میں واقع تل الہوا کے علاقے میں تباہ شدہ عمارتیں درد کی داستان سنا رہی ہیں۔ مگر انہی ملبوں کے درمیان حیرت انگیز مناظر جنم لے رہے ہیں: بچے

ٹوٹی دیواروں پر تصویریں بنا رہے ہیں، عورتیں اجڑے گھروں کے سامنے صفائی کر رہی ہیں اور مرد خیمے لگا کر رہائش کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔

یہ وہی لوگ ہیں جو جنوبی غزہ سے پیدل چل کر لوٹے ہیں، اپنے دکھوں کے بوجھ کے ساتھ مگر بقا کے عزم سے سرشار ہیں۔

کل دوپہر کو باضابطہ طور پر فائر بندی کا اعلان کیا گیا، جس نے دو برس طویل نسل کشی کی جنگ کے خاتمے کی نوید دی۔ جیسے ہی اعلان ہوا، شارع الرشید پر ہزاروں شہری اپنے علاقوں اور دیہات کی سمت دوڑ پڑے۔

غزہ کے شمال میں ان کے قدموں سے امید کی لہریں پھوٹنے لگیں۔

بقا کی علامت

یہ مناظر صرف انسانی نہیں بلکہ سیاسی اور اخلاقی پیغام بھی رکھتے ہیں۔ یہ قابض اسرائیل کے اس منصوبے کا عملی خاتمہ ہیں جو فلسطینیوں کو ان کی زمین سے مٹانا چاہتا تھا۔ ان مناظر نے دنیا کو باور کرا دیا ہے کہ یہاں رہنا ہی سب سے بڑا چیلنج اور سب سے بڑی مزاحمت ہے۔

خان یونس کے مواصی علاقے سے شیخ رضوان محلہ لوٹنے والے ایک نوجوان نے کہا کہ جو بمباری سے بچ گیا، وہ اب پھر سے جینے لوٹا ہے۔ ہم دنیا کو بتا رہے ہیں، ہم باقی ہیں اور باقی رہیں گے۔

مسلمانوں کی زمین کا دفاع کرنا

جہاد فی سبیل اللہ ہے

قرآنی ہدایات، سیرت نبوی کی راہنمائی اور اقوالِ فقہاء کی روشنی میں دلچسپ تجزیہ

مولانا محمد منصور احمد

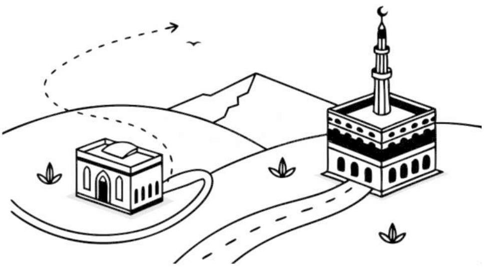

جہاد فرائض اسلام میں سے ایک اہم ترین فریضہ ہے اور اسلام کی سربلندی اور غلبہ جہاد میں ہے۔ اسی لیے ایک حدیث

پاک میں اس فریضہ کو اسلام کی کوہان کی بلندی قرار دیا گیا ہے۔قرآن مجید میں اس مبارک و مقدس فریضہ کو بہت تفصیل اور اہمیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔قرآن مجید کی سینکڑوں آیات کا تعلق اسی عظیم عمل کی تفصیلات سے ہے۔

قرآن کریم کبھی تو جہاد کی اجازت دیتا ہے اور کبھی اس کی فرضیت کو بیان کرتا ہے، کبھی جہاد پر اُٹھنے والے اعتراضات کے دندان شکن جوابات دیتا ہے تو کبھی جہاد چھوڑنے پر درد ناک عذاب کی وعید سناتا ہے، کبھی اللہ کے راستے میں لڑنے والے مجاہدین کی فضیلت بیان کرتا ہے تو کبھی جہاد کے نتیجے میں حاصل ہونے والے مال غنیمت کے احکام بیان کرتا ہے کبھی سابقہ انبیاء علیہم السلام کے جہاد کو وضاحت سے ذکر کرتا ہے تو کبھی سرکارِ دو عالم ﷺ کے غزوات اور آپ ﷺ کے بھیجے ہوئے بعض لشکروں کے واقعات سناتا ہے۔کبھی راہِ جہاد میں اپنی جانیں قربان کرنے والوں کی عظمتیں بتاتا ہے تو کبھی اپنے مال کے ذریعے جہاد میں شرکت کرنے والوں پر اجرِ عظیم کا وعدہ کرتا ہے۔

قرآن مجید میں احکام جہاد کو بھی بہت تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے جن میں مالِ غنیمت و مالِ فئی کے احکام، صلح اور قیدیوں کے احکام اور دیگر بہت سے احکام شامل ہیں۔اسی طرح قرآن مجید نے اپنے خاص اسلوب میں اس مسئلہ کو بھی واضح کیا ہے کہ اہلِ اسلام کا اپنے مقبوضہ علاقوں کو واپس لینا اور اس کے لیے کافروں سے لڑنا بہترین عبادت اور فرائض میں سے اہم ترین فرض ہے، ہم اس مختصر تحریر میں پہلے قرآن مجید کے ارشادات، سیرت نبویہ کے ارشادات اور پھر اقوال فقہاء اسی مسئلہ کے بارے میں بالترتیب عرض کریں گے۔

(۱) حضرت طالوت کا قصہ

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۴۶ تا ۲۵۱ میں ذکر فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے:

بعض آثار میں مذکور ہے کہ جب حضرت الیسعؑ کی وفات ہوگئی تو مصر و فلسطین کے درمیان بحر روم پر آباد عمالقہ میں سے جالوت نامی جابر و ظالم حکمران نے بنی اسرائیل کو مغلوب کر کے ان کی آبادیوں پر قبضہ کرلیا اور ان کے بہت سے سرداروں اور قبیلہ کے معزز لوگوں کو گرفتار کر کے ساتھ لے گیا اور باقی کو مقہور و مغلوب کر کے ان پر خراج مقرر کر دیا اور تورات کو بھی فنا کر دیا۔ بنی اسرائیل کے لیے یہ ایسا نازک دور تھا کہ نہ کوئی نبی و رسول ان میں موجود تھا اور نہ سردار و امیر اور خاندان نبوت میں ایک حاملہ عورت کے علاوہ کوئی باقی نہ تھا مگر اس نکبت و ادبار کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے ان پر فضل و کرم فرمایا اور اس عورت کے بطن سے ایک بچہ پیدا ہوا اس کا نام شمویل علیہ السلام رکھا گیا اور اس کی تربیت کا بار بنی اسرائیل کے ایک بزرگ نے اپنے ذمہ لیا۔ شمویل علیہ السلام نے ان سے تورات حفظ کی اور دینی تعلیم کے مدارج طے کیے اور جب سن رشد کو پہنچے تو تمام بنی اسرائیل میں ممتاز اور نمایاں نظر آنے لگے، آخر اللہ تعالیٰ نے ان کو منصب نبوت سے سرفراز فرمایا اور بنی اسرائیل کی رشد و ہدایت پر مامور کیا۔ (روح المعانی)

مؤرخین کہتے ہیں کہ شمویل علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور ان کا نسب نامہ یہ ہے:

شمویل بن حنہ بن عاقر، عاقر سے اوپر کی کڑیاں مذکور نہیں ہیں اور مقاتل کی روایت کے مطابق یہ اضافہ ہے شمویل بن بالی بن علقمہ بن یرخام بن یہوبن تہو بن صوف بن علقمہ بن ماحث بن عموص بن عزایا۔ (تاریخ ابن کثیر)

اشمویل عبرانی ہے اور عربی اس کا ترجمہ اسمٰعیل ہوتا ہے اور کثرت استعمال سے اشمویل، شمویل رہ گیا۔

بہر حال جب شمویل علیہ السلام کے زمانہ میں بھی عمالقہ کی دست برد اور ظالمانہ شرارتیں اس طرح جاری رہیں تو بنی اسرائیل نے ان سے درخواست کی کہ وہ ہم پر ایک بادشاہ (حاکم) مقرر کر دیں جس کی قیادت میں ہم ظالموں کا مقابلہ کریں اور جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعہ دشمنوں کی لائی ہوئی مصیبت کا خاتمہ کر دیں۔ تورات میں بنی اسرائیل کے اس مطالبہ کی کہ ''ہم پر ایک سلطان مقرر کر دیجئے'' وجہ یہ بیان کی ہے:

اور ایسا ہوا کہ جب سموئیل بوڑھا ہو گیا تو اس نے اپنے بیٹوں کو مقرر کیا کہ اسرائیل کی عدالت کریں۔ اور اس کے پہلے بیٹے کا نام یوایل تھا اور اس کے دوسرے بیٹے کا نام ابیاہ۔ وہ دونوں بیرسبع میں قاضی تھے پر اس کے بیٹے اس کی راہ پر نہ چلے بلکہ نفع کی پیروی کرتے اور رشوت لیتے اور عدالت میں طرفداری کرتے تھے تب سارے اسرائیلی بزرگ جمع ہو کر راستہ میں سموئیل کے پاس آئے اور اسے کہا دیکھ تو بوڑھا ہوا اور تیرے بیٹے تیری راہ پر نہیں چلتے، اب کسی کو ہمارا بادشاہ مقرر کر جو ہم پر حکومت کیا کرے جیسا کہ سب قوموں میں ہے۔ (سموئیل)

قرآن عزیز نے بنی اسرائیل کے اس مطالبہ پر حضرت سموئیل علیہ السلام کا جو جواب نقل کیا ہے وہ اس سے جدا اور بنی اسرائیل کی عادات وخصائل کے عین مطابق ہے۔

قرآن عزیز میں ہے کہ جب بنی اسرائیل نے حضرت سموئیل علیہ السلام سے بادشاہ کے تقرر کا مطالبہ کیا تو اُنہوں نے ارشاد فرمایا:

مجھے یہ خوف ہے کہ ایسا نہ ہو جب تم پر کوئی بادشاہ مقرر کر دیا جائے اور وہ تم کو دشمنوں کے مقابلہ کے لیے جہاد کا حکم دے تو تم بزدل ثابت ہو اور جہاد سے انکار کر جاؤ، بنی اسرائیل نے بڑی قوت کے ساتھ جواب دیا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم جہاد سے انکار کر دیں جبکہ ہم یہ خوب جانتے ہیں کہ ہم کو دشمنوں نے بہت زیادہ ذلیل کر دیا ہے انہوں نے ہم کو ہمارے گھروں سے نکالا اور ہماری اولاد کو قید کیا۔

جب حضرت سموئیل علیہ السلام نے اتمام حجت کر لیا تو اب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رجوع کیا۔ حق تعالیٰ نے ان کو مطلع فرمایا کہ بنی اسرائیل کی درخواست منظور ہوئی اور ہم نے طالوت کو جو علمی اور جسمانی دونوں لحاظ سے تم میں نمایاں ہے تم پر بادشاہ مقرر کر دیا۔ بنی اسرائیل نے جب یہ سنا تو منہ بنانے لگے اور ناگواری سے کہنے لگے یہ شخص تو غریب ہے مالدار تک نہیں ہے یہ کس طرح ہمارا بادشاہ ہو سکتا ہے اور دراصل بادشاہت کے لائق تو ہم ہیں، ہم میں سے کسی کو مقرر کیجئے۔

مؤرخین کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک عرصہ سے نبوت کا سلسلہ سبط لاوی میں اور حکومت وسرداری کا سلسلہ سبط یہود میں چلا آتا تھا تو اب جبکہ سموئیل علیہ السلام کے ارشاد

کے مطابق یہ شرف بنیامین کی نسل میں منتقل ہونے لگا تو بنی اسرائیل کے ان سرداروں کو حسد پیدا ہوا اور وہ اس کو برداشت نہ کر سکے۔

شروع میں کسی بات کے اقرار کر لینے اور وقت پر انکار کر دینے کی یہ ادا بنی اسرائیل کی زندگی کا طغرائے امتیاز بن چکی تھی اس لیے یہاں بھی کارفرما رہی کیونکہ وہ یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ سموئیل علیہ السلام کی نظر انتخاب بہرحال ہم ہی میں سے کسی پر پڑے گی۔ اس لیے جب انہوں نے خلاف توقع بنیامین کے گھرانے میں سے ایک غریب مگر قوی اور عالم انسان کو اس منصب پر مامور دیکھا تو حسد کی آگ بھڑک اُٹھی اور ردوکد شروع کر دی۔

حضرت شموئیل نے بنی اسرائیل کے معترضین اور نکتہ چین سرداروں کی نکتہ چینی کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

میں پہلے ہی جانتا تھا کہ تمہاری پستی اور بزدلی تمہارے وقتی جوش اور ولولہ کو کبھی پائیدار اور مستقل نہیں رہنے دے گی اور وقت آنے پر تمہاری یہ گرم جوشی برف کی طرح سرد ہو کر رہ جائے گی چنانچہ تم نے اب اس کے لیے حیلہ جوئی شروع کر دی، تم کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ حکمرانی کا جو معیار تم نے سمجھ لیا ہے یعنی وسعت مال اور کثرت دولت تو یہ قطعاً غلط اور سراسر باطل ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک حکمران کے ذاتی اوصاف میں قوت علم اور طاقت جسم ضروری ہے۔ اس لیے کہ یہی ہر دو وصف حسن تدبیر صحت فکر اور جرات وشجاعت کے کفیل ہیں ان اوصاف میں طالوت (ساؤل) تم سب میں ممتاز اور نمایاں ہے۔

بنی اسرائیل کی اس ردوکد نے یہاں تک طول کھینچا کہ انہوں نے شموئیل علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ اگر طالوت کا تقرر منجانب اللہ ہے تو اس کے لیے خدا کا کوئی ''نشان'' دکھایئے۔ حضرت شموئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر تم کو خدا کے اس فیصلہ کی تصدیق مطلوب ہے تو اتمام حجت کے لیے وہ بھی تم کو عطا کی جارہی ہے اور وہ یہ کہ جو متبرک صندوق (تابوت سکینہ) تمہارے ہاتھوں سے چھن گیا ہے اور جس میں تورات اور حضرت موسیٰ و ہارون (علیہما السلام) کے تبرکات محفوظ ہیں وہ طالوت کی بدولت تمہارے پاس واپس آجائے گا اور حکمت الٰہی سے ایسا ہوگا کہ تمہاری دیکھتی آنکھوں فرشتے اسے اٹھالائیں گے اور وہ دوبارہ تمہارے قبضہ میں آجائے گا۔

حضرت سموئیل علیہ السلام کی یہ بشارت آخر بروئے کار آئی اور بنی اسرائیل کے سامنے ملائکۃ اللہ نے تابوت سکینہ طالوت کو پیش کردیا اور اس طرح ان پر یہ ظاہر ہوگیا کہ اگر وہ حضرت شموئیل علیہ السلام کے اس الہامی فیصلہ کو قبول کرلیں تو کامیاب و کامرانی یقینی اور حتمی ہے۔

اس تمام ردوکد کے بعد بنی اسرائیل کو انکار کرنے کے لیے کوئی چارۂ کار باقی نہیں رہا اور حضرت شموئیل علیہ السلام کے الہامی فیصلہ پر طالوت کو بنی اسرائیل کا بادشاہ بنادیا گیا۔

اب طالوت نے بنی اسرائیل کو نفیر عام دیا کہ وہ دشمنوں (فلسطینیوں) کے مقابلہ کے لیے نکلیں جب بنی اسرائیل طالوت کی سرکردگی میں روانہ ہوئے تو بنی اسرائیل کی آزمائش کا ایک اور مرحلہ پیش آیا وہ یہ کہ طالوت نے سوچا کہ جنگ کا معاملہ بے حد نازک

ہے اور اس میں بعض مرتبہ ایک شخص کی بزدلی یا منافقانہ حرکت پورے لشکر کو تباہ کر دیا کرتی ہے اس لئے از بس ضروری ہے کہ بنی اسرائیل کے اس گروہ کو جہاد سے پہلے آزمالیا جائے کہ کون شخص حکم، ضبط نفس اور صداقت واخلاص کا حامل ہے اور کس میں یہ اوصاف نہیں پائے جاتے اور وہ بزدل اور کمزور ہے تاکہ ادائے فرض سے پہلے ہی ایسے عناصر کو کاٹ کر الگ کر دیا جائے کیوں کہ یہاں صبر وثابت قدمی اور اطاعت وانقیاد اصل ہے لہٰذا جو شخص معمولی پیاس میں ضبط وصبر پر قدرت نہیں رکھتا وہ جہاد جیسے نازک معاملہ میں کس طرح ثبات قدم رہ سکتا ہے۔

چنانچہ جب یہ گروہ ایک ندی کے کنارے پہنچا تو طالوت نے اعلان کیا اللہ تعالیٰ اس نہر کے ذریعہ تمہاری آزمائش کرنا چاہتا ہے وہ یہ کہ کوئی شخص اس سے جی بھر کر پانی نہ پئے لہٰذا جو شخص اس کی خلاف ورزی کرے گا وہ خدا کی جماعت سے نکال دیا جائے گا اور جو تعمیل ارشاد کرے گا وہ جماعت میں شامل رہے گا البتہ سخت پیاس کی حالت میں گھونٹ بھر پانی پی کر حلق تر کر لینے کی اجازت ہے۔

مفسرین کہتے ہیں کہ یہ واقعہ نہر اردن پر پیش آیا۔ بخاری کی ایک روایت ہے کہ براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ ہم اصحابِ رسول ﷺ آپس میں بات چیت کیا کرتے تھے کہ اصحاب بدر کی تعداد اصحاب طالوت کے برابر ہے۔ (بخاری باب المغازی)

بہر حال نتیجہ یہ نکلا کہ جب لشکر ندی کے پار ہو گیا تو جن لوگوں نے خلاف ورزی کر کے پانی پی لیا تھا وہ کہنے لگے کہ ہم میں جالوت جیسے قوی ہیکل اور اس کی جماعت سے لڑنے

کی طاقت نہیں ہے لیکن جن لوگوں نے ضبطِ نفس اور اطاعت امیر کا ثبوت دیا تھا انہوں نے بے خوف ہو کر یہ کہا کہ ہم ضرور دشمن کا مقابلہ کریں گے اس لیے کہ خدا کی قدرت کا یہ مظاہرہ اکثر ہوتا رہتا ہے کہ چھوٹی جماعتیں بڑی جماعتوں پر غالب آجاتی ہیں البتہ ایمان باللہ اور اخلاص وثبات شرط ہے۔

مجاہدین کا لشکر اب آگے بڑھا اور دشمن کی فوج کے مقابل صف آرا ہوا، دشمن کی فوج کا سردار جالوت نامی دیو ہیکل شخص تھا اور اس کے لشکر کی تعداد بھی زیادہ تھی مجاہدین نے اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں اخلاص وتضرع کے ساتھ دُعاء کی کہ دشمن کو شکست دے اور ہم کو ثابت قدم رکھ اور اپنی فتح ونصرت سے شادکام بنا۔

تورات اور کتب سیر میں ہے کہ جالوت کی غیر معمولی شجاعت و بہادری نے بنی اسرائیل کو متاثر کر رکھا تھا اور اس کی مبارزطلبی کے جواب میں جھجک محسوس کرتے تھے۔

بنی اسرائیل کے اس لشکر میں ایک نوجوان بھی تھا جو بظاہر کوئی نمایاں شخصیت نہیں رکھتا تھا اور نہ شجاعت و بہادری میں کوئی خاص شہرت کا مالک تھا یہ داؤد علیہ السلام تھے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے والد کے سب سے چھوٹے لڑکے تھے، اور شرکت جنگ کے ارادہ سے بھی نہیں آئے تھے بلکہ باپ کی جانب سے بھائیوں اور دوسرے اسرائیلیوں کے حالات کی تحقیق کے لیے بھیجے گئے تھے مگر جب انہوں نے جالوت کی شجاعانہ مبارزطلبی اور اسرائیلیوں کی پس وپیش کو دیکھا تو ان سے نہ رہا گیا اور طالوت سے اجازت چاہی کہ جالوت کا جواب دینے کے لیے ان کو موقع دیا جائے۔ طالوت نے کہا تم ابھی ناتجربہ کار لڑکے ہو اس لیے اس

سے عہدہ برا نہیں ہو سکتے، مگر داؤد علیہ السلام کا اصرار بڑھتا ہی رہا اور آخر کار طالوت کو اجازت دینی پڑی۔

داؤد علیہ السلام آگے بڑے اور جالوت کو للکارا، جالوت نے ایک نوجوان کو مقابل پایا تو حقیر سمجھ کر کچھ زیادہ توجہ نہیں دی مگر جب دونوں کے درمیان نبرد آزمائی شروع ہوگئی تو اب جالوت کو داؤد علیہ السلام کی بے پناہ شجاعت کا اندازہ ہوا۔ داؤد علیہ السلام نے لڑتے لڑتے اپنی گوپھن سنبھالی اور تاک کر پے درپے تین پتھر اس کے سر پر مارے اور جالوت کا سر پاش پاش کر دیا اور پھر آگے بڑھ کر اس کی گردن کاٹ لی۔ جالوت کے قتل کے بعد جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور بنی اسرائیل کی جنگ مغلوبہ جارحانہ حملہ میں تبدیل ہوگئی اور طاغوتی طاقت کو شکست ہوئی اور بنی اسرائیل کامگار و کامراں واپس لوٹے۔ اس واقعہ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی شجاعت کا دوست و دشمن دونوں کے قلوب پر سکہ بٹھا دیا اور وہ بے حد ہر دل عزیز ہوگئے اور ان کی شخصیت بہت نمایاں اور ممتاز نظر آنے لگی۔

اگرچہ قرآن عزیز نے ان تفصیلات کو غیر ضروری سمجھ کر نظر انداز کر دیا ہے یا حقیقتاً یہ تفصیلات خود اپنی جگہ پر صحیح نہیں ہیں لیکن اس بات پر قرآن اور تورات دونوں کا اتفاق ہے کہ جالوت کے قاتل حضرت داؤد علیہ السلام ہیں اور جالوت کے قتل سے ہی اسرائیلیوں کو فتح اور دشمن کو شکست نصیب ہوئی۔

بعض اسرائیلی روایات میں یہ بھی ہے کہ جالوت کی زبردست طاقت اور بنی اسرائیل کے اس کے مقابل ہونے میں جھجک کو دیکھ کر طالوت نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ جو شخص

جالوت کو قتل کرے گا میں اس سے اپنی بیٹی کی شادی کروں گا اور اس کو حکومت میں بھی حصہ دار بناؤں گا چنانچہ جب داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کر دیا تو طالوت نے وفاء عہد کے پیش نظر اس کے ساتھ اپنی لڑکی میکال کی شادی کر دی اور حکومت میں بھی حصہ دار بنا لیا۔ (تلخیص از قصص القرآن ۲/۴۶۶)

اصل بات جس کی طرف ہم توجہ دلانا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ اس واقعہ میں آپ نے پڑھا کہ جب بنی اسرائیل نے حضرت شموئیل علیہ السلام سے امیر جہاد مقرر کرنے کی درخواست کی اور حضرت شموئیل علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ کہیں بعد میں تم لوگ لڑنے سے بھاگ نہ کھڑے ہو تو قرآن مجید کے ان الفاظ میں انہوں نے جواب دیا:

"قالوا ومالنا ان لا نقاتل فی سبیل اللّٰہ و قد اخرجنا من دیارنا و ابنائنا"

(انہوں نے کہا کہ ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ کے راستے میں نہیں لڑیں گے حالانکہ ہمیں اپنے گھروں اور اپنے بیٹوں سے نکال دیا گیا ہے) (البقرة ۲۴۶)

انہوں نے اپنے قتال کی وجہ یہ بیان کی کہ ہمیں اپنے علاقوں، اپنے ملکوں اور اپنی زمینوں سے بے دخل کر دیا گیا۔ اللہ کے نبی حضرت شموئیل علیہ السلام نے ان کی تردید نہیں کی اور یہ نہیں فرمایا کہ یہ تو زمین کے لیے لڑنا ہوا جو جائز نہیں بلکہ انہوں نے سردارانِ بنی اسرائیل کی یہ بات تسلیم کر لی اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق حضرت طالوت کو امیر مقرر فرما دیا۔

عجیب بات یہ ہے کہ بنی اسرائیل تو اپنے علاقوں سے نکالے جانے کو جہاد کے لازمی ہونے کی وجہ بتا رہے ہوں اور اُمتِ محمدیہ (علی صاحبہا الصلاۃ والسلام) کے افراد موجودہ زمانے میں جاری جہاد سے اس لیے کنارہ کش ہو جائیں کہ یہ تو زمین کی جنگ ہے، شرعی جہاد نہیں ہے۔ علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے اس موقع پر یہ الفاظ لکھے ہیں:

''ان سردارانِ بنی اسرائیل کی غرض اس بات کی خبر دینا تھا کہ وہ لازمی طور پر لڑیں گے کیونکہ ان کو وہ حالات پیش آ چکے ہیں جو کافروں سے لڑنے کو پختہ طور پر واجب کر دیتے ہیں اور وہ ان کا وطنوں سے نکالا جانا اور اولاد سے دور کیے جانا ہے''

(۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم کو ارضِ مقدس پر حملہ کرنے کی ترغیب دینا:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے چھٹے پارہ میں، سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۲۰ تا ۲۶ میں ایک واقعہ نقل فرمایا ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو ارضِ مقدس پر حملہ کرنے کی ترغیب دے رہے ہیں اور قوم اپنی بزدلی کی وجہ سے اس سے رک رہی ہے۔ اس واقعہ کا ایک ایک حرف مسلمانوں کو یہ بتا رہا ہے کہ مسلمانوں کے لیے وطن اور زمین کی کیا اہمیت ہے اور نفاذِ اسلام کے لیے زمین حاصل کرنا کتنا ضروری اور اہم کام ہے۔ اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے:

سینا کے جس میدان میں اس وقت بنی اسرائیل موجود تھے یہ سرزمین فلسطین سے قریب تھا، اور ان کے باپ دادا حضرت ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب (علیہم السلام) سے خدا کا وعدہ تھا کہ تمہاری اولاد کو پھر اس سرزمین کا مالک بنائیں گے اور یہاں پھولے پھلے گی، لہٰذا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معرفت خدا کا حکم ہوا کہ اپنی قوم سے کہو کہ ارضِ مقدس میں داخل ہوں اور وہاں کے جابر و ظالم حکمرانوں کو نکال کر عدل و انصاف کی زندگی بسر کرو، ہم وعدہ کرتے ہیں کہ فتح تمہاری ہوگی اور تمہارے ظالم دشمن ناکام ہوں گے، حضرت موسیٰ علیہ السلام ”اس سے پہلے کہ بنی اسرائیل کو ارضِ مقدس میں داخل ہونے کے لیے آمادہ کریں“۔ بارہ آدمیوں کو تفتیش حال کے لیے بھیجا، وہ فلسطین کے قریبی شہر اریحا میں داخل ہوئے اور تمام حالات کو بغور دیکھا، جب واپس آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتایا کہ وہ بہت جسیم اور تن توش کے زبردست ہیں اور بہت قوی ہیکل ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جس طرح تم نے مجھ سے ان کے متعلق کہا ہے قوم کے سامنے نہ کہنا اس لیے کہ عرصۂ دراز کی غلامی نے ان کے حوصلے پست کر دیئے ہیں اور ان میں شجاعت، خودداری اور علو ہمت کی جگہ بزدلی، ذلت اور پستی ہمت نے لے لی ہے۔ مگر آخر یہ بھی اسی قوم کے افراد تھے، نہ مانے اور خاموشی کے ساتھ قوم کے سامنے دشمن کی طاقت کا خوب بڑھا چڑھا کر ذکر کیا۔ البتہ صرف دو شخص یوشع بن نون اور کالب بن یُفنّہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم کی پوری پوری تعمیل کی اور انہوں نے بنی اسرائیل سے ایسی کوئی بات نہ کہی کہ جس سے ان کی ہمت ختم ہو۔

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا کہ تم اس بستی (اریحاء) میں داخل ہو اور دشمن کا مقابلہ کر کے اس پر قابض ہو جاؤ خدا تمہارے ساتھ ہے۔

بنی اسرائیل نے یہ سن کر جواب دیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام! وہاں تو بڑے ظالم

لوگ بستے ہیں، ہم تو اس وقت تک اس بستی میں داخل نہ ہوں گے۔ جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں۔ افسوس بدبختوں نے یہ نہ سوچا کہ جب تک ہمت وشجاعت کے ساتھ تم ان کو یہاں سے نہ نکالو گے تو یہ ظالم خود کیسے نکل جائیں گے۔

یوشع اور کالب نے جب یہ دیکھا تو قوم کو ہمت دلائی اور کہا شہر کے پھاٹک سے گزر جانا کچھ مشکل نہیں ہے۔ چلو اوران کا مقابلہ کرو ہم کو پورا یقین ہے کہ تم غالب رہو گے۔

لیکن بنی اسرائیل پر اس بات کا بھی مطلق اثر نہ ہوا اور وہ بدستور اپنے انکار پر قائم رہے اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زیادہ زور دیا تو اپنے انکار پر اصرار کرتے ہوئے کہنے لگے:

''قالوا یا موسیٰ انا لن ند خلھا ابدا ما داموا فیھا فاذھب انت وربک فقاتلا انا ھا ھنا قاعدونo''

''انہوں نے کہا کہ اے موسیٰ! ہم کبھی اس شہر میں اس وقت تک داخل نہیں ہوں گے جب تک وہ اس میں موجود ہیں، پس تو اور تیرا رب دونوں جاؤ اور ان سے لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں (یعنی تماشہ دیکھیں گے)''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ ذلیل اور بے ہودہ جواب سنا تو بہت افسردہ خاطر ہوئے اور انتہائی رنج وملال کے ساتھ درگاہِ الٰہی میں عرض کیا ''بارِ الٰہا! میں اپنے اور ہارون علیہ السلام کے سوا کسی پر قابو نہیں رکھتا سو ہم دونوں حاضر ہیں، اب تو ہمارے اور اس نافرمان قوم کے درمیان جدائی کر دے، یہ تو سخت نااہل ہیں''۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ

علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی ''موسیٰ! تم غمگین نہ ہو! ان کی نافرمانی کا تم پر کوئی بار نہیں، اب ہم نے ان کے لیے یہ سزا مقرر کر دی ہے کہ یہ چالیس سال اسی میدان میں بھٹکتے پھریں گے اور ان کو ارضِ مقدس میں جانا نصیب نہ ہوگا ہم نے ان پر ارضِ مقدس کو حرام کر دیا ہے۔ وادی سینا کو ''تیہ'' اس لیے کہتے ہیں کہ قرآن عزیز نے بنی اسرائیل کے لیے کہا ہے: ''یتیھون فی الارض'' (یہ اس زمین میں بھٹکتے پھریں گے) جب کوئی شخص راہ سے بھٹک جائے تو عربی میں کہتے ہیں ''تاہ فلان''.

تورات میں اس واقعہ کی تفصیلات اگرچہ اس انداز میں مذکور نہیں ہیں تاہم ''گنتی باب ۱۴'' میں بنی اسرائیل کے ارض مقدس میں داخلہ سے انکار اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ناراضی اور پھر چالیس سال تک ان پر ارض مقدس کے داخلہ کا حرام ہو جانا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور اس میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس مدت کے اندر اندر بنی اسرائیل کے وہ تمام افراد مر جائیں گے جنہوں نے خدا کے حکم کے خلاف ارضِ مقدس کے داخلہ سے انکار کیا ہے اور ان کے بعد نئی نسل کو داخلہ کی اجازت ہوگی جو کالب اور یوشع کی سرکردگی میں دشمنوں کو پامال کر کے پاک زمین میں داخل ہوں گے نیز یہ کہ حضرت ہارون علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھی اس وقت انتقال ہو چکا ہوگا۔

''پھر خداوند نے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو خطاب کر کے فرمایا: میں کب تک اس خبیث گروہ کے مقابل جو میری شکایت کرتا ہے صبر کروں؟ بنی اسرائیل جو میرے برخلاف شکایتیں کرتے ہیں۔ میں نے ان کی شکایتیں سنیں، ان سے کہہ، خداوند کہتا ہے،

مجھے اپنی حیات کی قسم جیسا تم نے مجھے سنا کے کہا ہے میں تم سے ویسا ہی کروں گا، تمہاری لاشیں اوران سب کی جو تم میں شمار کیے گئے ان کے جمع کے مطابق بیس برس والے سے لے کراوپر والے تک جنہوں نے میری شکایتیں کیں اس بیابان میں گریں گی، تم بے شک اس زمین تک نہ پہنچو گے۔ جس کی بابت میں نے قسم کھائی ہے کہ تمہیں وہاں بساؤں گا۔ سو یفنّہ کے بیٹے کالب اورنون کے بیٹے یشوع اور تمہارے لڑکوں کو جن کے حق میں تم کہتے ہو کہ وہ لٹ جائیں گے۔ میں ان کو داخل کروں گا۔ اس زمین کی قدر کو جسے تم نے ذلیل جانا وہ پہچانیں گے، پر تم جو ہو تمہاری لاشیں اس بیابان ہی میں گریں گی اور تمہارے لڑکے اس دشت میں چالیس برس تک بھٹکتے پھریں گے اور تمہاری برگشتگی کے اٹھانے والے ہوں گے جب تک کہ تمہاری لاشیں اس دشت میں نیست و نابود نہ ہوں، ان دنوں کے شمار کے مطابق جن میں تم اس زمین کی جاسوسی کرتے تھے۔ جو چالیس دن ہیں دن پیچھے ایک سال ہوگا سو تم چالیس برس تک اپنے گناہ کو اٹھائے رہو گے، تب تم میری عہد شکنی کو جان لو گے۔ (تلخیص از قصص القرآن ۲/۳۹۰)

(۳) قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصلحون“

(اور البتہ تحقیق ہم نصیحت کے بعد زبور میں لکھ چکے ہیں کہ بے شک زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہی ہوں گے) (سورۃ الانبیاء۔۱۰۵)

اس آیت کی تفسیر میں حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

گزشتہ آیت میں آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے والوں کو اخروی بشارت (خوشخبری) کا ذکر تھا اب اس آیت میں ایک عظیم دنیوی بشارت کا ذکر فرماتے ہیں یعنی بادشاہت اور وراثت زمین کی خوشخبری کا ذکر ہے کہ ہم عنقریب دنیا میں اپنے نیک بندوں کو یعنی صحابہ کرامؓ کو زمین کا وارث بنائیں گے اور زمین کی حکومت اور سلطنت اور زمین پر غلبہ اور اقتدار اعلیٰ ان کو عطا کریں گے جس سے اشارہ خلافت راشدہ کی طرف ہے اور وہ بھی اس عنوان سے کہ اس بشارت (خوشخبری) کو ہم اگلی کتابوں میں لکھ چکے ہیں اور ہماری بارگاہ سے صحابہ کے لیے وراثت زمین کا حکم جاری ہو چکا ہے اور یہ ہمارا ایسا حتمی اور قطعی وعدہ ہے کہ جس کی رجسٹری ہو چکی ہے اور تمام انبیاءؑ کے صحیفوں میں اس کا اندراج ہو چکا ہے کہ عنقریب قیصر و کسریٰ کی سلطنت صحابہ کرامؓ کے قبضہ میں آئے گی۔ پھر اس بشارت کے بعد یہ فرمایا "ان فی ھذا لبلاغا لقوم عابدین" یعنی اس خوشخبری میں عبادت گزاروں کے لیے ایک عجیب اطلاع ہے جس سے مقصود اتمام حجت ہے کہ اہل اعراض اور اہل غفلت پر اللہ کی حجت پوری ہوگئی کہ نبی آخر الزمان ﷺ مبعوث ہوں گے اور یہ کتابِ ہدایت نازل کر دی گئی جو کافی اور شافی ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ حتمی وعدہ ہے کہ اس نبی آخر الزمان ﷺ کے صحابہ زمین شام اور زمین ایران کے وارث ہوں گے اور زمین پر غالب ہوں گے۔

ارض کے معنی زمین کے ہیں اس بارہ میں مفسرین کے چار قول ہیں (قول اول) یہ کہ زمین سے ملک شام کی زمین سے مراد ہے (قول دوم) یہ کہ زمین سے روم اور ایران کی زمین مراد ہے۔ (قول سوم) یہ کہ ارض سے معمورۂ ارض مراد ہے۔ (قول چہارم) یہ کہ

زمین سے جنت کی زمین مراد ہے۔

صحیح اور راجح قول، قول اول اور قول دوم ہے اور تیسرے قول کا مراد لینا بھی صحیح ہے اور مطلب یہ ہے کہ شام اور ایران کی زمینیں فتح ہوں گی اور دنیا کی جو دو بڑی سلطنتیں ہیں، یعنی ایران اور روم وہ اسلام کے زیرنگین آئیں گی اور تمام معمورۂ ارض پر اسلام کو اقتدارِ اعلیٰ حاصل ہوگا اور قول چہارم نہایت بعید ہے۔ اور سیاق وسباق کے خلاف ہے۔

(از معارف القرآن ۵/۲۶۹)

(۴) کلام الٰہی میں اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں سے وعدہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

"وعداللہ الذین اٰمنوا منکم و عملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم"

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کیے کہ انہیں ضرور ملک کی حکومت عطا کرے گا جیسا کہ ان سے پہلوں کو عطا کی تھی"

(سورۃ النور۔ ۵۵)

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے تین چیزوں کا وعدہ فرمایا کہ آپ کی اُمت کو زمین کے خلفاء اور حکمراں بنایا جائے گا اور اللہ کے پسندیدہ دین اسلام کو غالب کیا جائے گا اور مسلمانوں کو اتنی قوت وشوکت دی جائے گی کہ ان کو دشمنوں کا کوئی خوف نہ رہے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ وعدہ اس طرح پورا فرما دیا کہ خود آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک

میں مکہ، خیبر، بحرین اور پورا جزیرۃ العرب اور پورا ملک یمن آنحضرت ﷺ ہی کے ذریعہ فتح ہوا اور ہجر کے مجوسیوں سے اور ملک شام کے بعض اطراف سے آپ نے جزیہ وصول فرمایا۔ اور شاہِ روم ہرقل نے اور شاہ مصر واسکندریہ مقوقس اور شاہانِ عمان اور بادشاہ حبشہ نجاشی وغیرہ نے آنحضرت ﷺ کو ہدایا بھیجے اور آپ کی تعظیم وتکریم کی۔ پھر آپ کی وفات کے بعد حضرت صدیق اکبر ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے تو وفات کے بعد جو کچھ فتنے پیدا ہو گئے تھے ان کو ختم کیا اور بلاد فارس اور بلاد شام ومصر کی طرف اسلامی لشکر بھیجے اور بصرہ اور دمشق آپ ہی کے زمانے میں فتح ہوئے اور دوسرے ملکوں کے بھی بعض حصے فتح ہوئے۔

حضرت صدیق اکبرؓ کی وفات کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں اپنے بعد عمرؓ بن خطاب کو خلیفہ بنانے کا الہام فرمایا، عمر بن خطابؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے نظام خلافت ایسا سنبھالا کہ آسمان نے انبیاء علیہم السلام کے بعد ایسا نظام کہیں نہ دیکھا تھا۔ ان کے زمانے میں ملک شام پورا فتح ہو گیا اسی طرح پورا ملک مصر اور ملک فارس کا اکثر حصہ، انہیں کے زمانے میں قیصر وکسری کی قیصروی اور کسروی کا خاتمہ ہوا۔ اس کے بعد خلافت عثمانی کا وقت آیا تو اسلامی فتوحات کا دائرہ مشارق ومغارب تک وسیع ہو گیا، بلاد مغرب، اندلس اور قبرص تک اور مشرق اقصیٰ میں بلاد چین تک اور عراق، خراسان، اہواز سب آپ کے زمانے میں فتح ہوئے اور صحیح حدیث میں جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ مجھے پوری زمین کے مشارق ومغارب سمیٹ کر دکھائے گئے ہیں اور میری اُمت کی حکومت ان تمام علاقوں تک پہنچے گی جو مجھے دکھائے گئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ خلافتِ عثمانیہ کے دور ہی میں پورا فرما دیا (یہ

مضمون تفسیر ابن کثیر سے لیا گیا ہے)

اور ایک حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ خلافت میرے بعد تیس سال رہے گی اس کی مراد خلافتِ راشدہ ہے جو بالکل نبی کریم ﷺ کے نقشِ قدم پر قائم رہی اور حضرت علیؓ مرتضیٰ تک چلی کیونکہ یہ تیس سال کی مدت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانے تک پوری ہوئی۔
(معارف القرآن مفتی شفیعؒ ۶/۴۳۹)

اس آیت کے ترجمہ اور تفسیر سے ہمارا مدعا بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نظام نافذ کرنے کے لیے زمین، ملک اور جگہ کا حاصل کرنا ضروری ہے اور اس کو شرعی جہاد کے خلاف کہنا کسی طرح بھی درست نہیں۔

سیرت طیبہ کی روشنی میں

سرکارِ دو عالم ﷺ کی ہجرت مدینہ کے بعد سب سے زیادہ مصروفیت فریضہ جہاد میں رہی۔ دس سال کے مختصر عرصے میں آپ ﷺ نے کم وبیش ۲۷ غزوات میں خود شرکت فرمائی اور ۷۵ کے قریب حضرات صحابہؓ کے لشکر روانہ ہوئے۔

مدینہ منورہ کی سرزمین اسلامی ریاست کی زمین تھی اور آپ ﷺ نے اس کے دفاع کے لیے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، یوں تو تقریباً تمام غزوات ہی میں سرزمین اسلام کے دفاع کا بنیادی مقصد شامل رہا مگر جن غزوات میں یہ شان نمایاں رہی ہم ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آگے چلتے ہیں:

غزوۂ احد

یہ ۷ شوال ۳ھ میں پیش آیا اور آپ ﷺ نے اس میں بعض صحابہ کرامؓ کے مشورے کے مطابق مدینہ منورہ سے باہر نکل کر اُحد پہاڑ کے دامن میں لشکر قریش کا مقابلہ کیا کیونکہ تین ہزار کا لشکر جرار مدینہ منورہ کی طرف بڑھتا چلا آرہا تھا، اس غزوہ میں آپ ﷺ کے محبوب چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سمیت ستر صحابہ کرامؓ نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ قرآن مجید سورۃ آلِ عمران میں اس غزوہ کا تفصیلی تذکرہ ملتا ہے۔

غزوۂ خندق

یہ شوال ۵ھ کو وقوع پذیر ہوا۔ مشرکین متحدہ طاقت کی شکل میں دس ہزار کی تعداد میں مدینہ منورہ پر چڑھ آئے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورے پر ایک طویل وعریض خندق کھودی گئی جس کی وجہ سے مدینہ منورہ کا دفاع ممکن ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک خفیہ تدبیر اور تیز آندھی اور ہواؤں کے ذریعے مسلمانوں کی مدد کی اور آخر کار کئی دن کی رسوائی کے بعد مشرکین پسپا ہونے پر مجبور ہو گئے۔ قرآن مجید کی سورۂ احزاب اسی غزوہ کی یاد دلاتی ہے۔

غزوۂ بنی قینقاع

(شوال ۲ھ) غزوہ بنی نضیر (ربیع الاول ۴ھ) غزوہ بنی قریظہ (شوال ۵ھ)

ان تینوں غزوات میں رحمتِ دوعالم ﷺ نے مدینہ منورہ میں رہنے والے یہودیوں کو ان کے جرائم کے مطابق جلاوطن یا قتل کر کے مدینہ منورہ کی زمین کو ان سے پاک کیا اور یہ زمین اہل اسلام کو نصیب ہوئی۔ قرآن مجید کی سورۂ آل عمران، سورۂ الحشر اور سورۂ الاحزاب میں ہمیں ان تینوں غزوات کا تذکرہ ملتا ہے۔

غزوۂ خیبر

یہ غزوہ محرم ۷ھ میں پیش آیا۔ مدینہ منورہ سے جلاوطن ہونے والے یہودیوں نے خیبر کو اپنی سازشوں کی آماجگاہ بنا رکھا تھا۔ مرحب نامی سراد کے قتل کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ زمین بھی مسلمانوں کو عطا فرمائی۔ قرآن مجید کی سورۂ احزاب اور سورۂ فتح میں اس غزوہ کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

فتح مکہ

رمضان المبارک ۸ھ کو مسلمانوں کا لشکر دس ہزار کی تعداد میں حضور اکرم ﷺ کی زیر قیادت مکہ مکرمہ میں داخل ہوا اور یوں حرم محترم پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ خانہ کعبہ کو تین سو ساٹھ بتوں سے پاک کیا گیا اور سرزمین توحید پر اللہ وحدہٗ لاشریک کے نام کا ڈنکا بجنے لگا۔ قرآن مجید کی سورۂ فتح اور سورۂ نصر میں اس غزوہ کی طرف اشارہ موجود ہے۔

غزوۂ تبوک

رجب ۹ھ میں تیس ہزار کے قدسیوں کے لشکر کے ساتھ آپ ﷺ شام کی سرحد پر تبوک کی طرف روانہ ہوئے کیونکہ اطلاع ملی تھی کہ روم کا بادشاہ ہرقل عرب کے عیسائیوں کے بلانے پر ایک لشکر جرار کے ساتھ مدینہ منورہ پر حملہ کرنے والا ہے۔ یہ سفر انتہائی مشکلات سے بھرا ہوا تھا اس لیے اس کو ''جیش العسرۃ'' تنگی کے وقت کا لشکر بھی کہتے ہیں۔ قرآن مجید کی سورۃ التوبہ میں اس کا بہت تفصیلی واقعہ مذکورہ ہے۔ ان تمام غزوات کو دیکھنے کے بعد کیا کوئی شخص بھی یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ مسلمانوں کا دارالاسلام کی زمین کے لیے لڑنا جہاد نہیں ہے۔

اقوال فقہاءؒ کی روشنی میں

اُمت مسلمہ کے تمام فقہاء کرامؒ نے قرآن وسنت کی روشنی میں بالاتفاق یہ قرار دیا ہے کہ مسلمانوں کی زمینوں کا دفاع اہم ترین فرائض میں سے ہے اور اس سے غفلت اسلام کی بیخ کنی کے مترادف ہے۔ ماضی قریب کے عظیم مجاہد شیخ عبداللہ عزام شہیدؒ نے اس موضوع پر ایک مستقل فتویٰ مرتب کر کے چیدہ چیدہ عرب علماء کے تصدیقی دستخطوں کے ساتھ شائع فرمایا تھا۔ اس فتویٰ کا عنوان ہے "الدفاع عن اراضی المسلمین من اهم فروض الاعیان"

جن فقہاء کرامؒ نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ کافروں کے مسلمانوں کے ملک اور زمین پر حملہ آور ہوتے ہی وہاں کے رہنے والوں پر اور ان کے کافی نہ ہونے کی صورت میں قریب والے اہلِ اسلام پر جہاد فرض عین ہو جاتا ہے، ہم ان میں سے چند حضرات کے حوالے عرض کرتے ہیں۔

فقہ حنفی میں ردالمختار (۲۳۸/۳) بدائع الصنائع (۷۲/۷) البحر الرائق (۱۹۱/۵) اور فتح القدیر لابنؒ همام (۱۹۱/۵) میں اس کی تصریح ملتی ہے۔

فقہ مالکی کی کتاب حاشیه الدسوقی (۱۷۴/۲) میں بھی دشمن کے حملہ آور ہونے کی صورت میں جہاد کو فرض عین کہا گیا ہے۔

فقہ شافعی کی کتاب نهایة المحتاج للرملیؒ (۵۸/۸) میں تو یہاں تک وضاحت ہے کہ اگر ابھی کافر مسلمانوں کے علاقے میں داخل نہیں ہوئے لیکن مسافتِ سفر (۴۸ میل)

تک پہنچ چکے ہیں تو جہاد سب اہلِ علاقہ پر فرض عین ہو جائے گا۔

فقہ حنبلی کی کتاب المغنی لابن قدامہؒ (۳۴۵/۸) میں جن تین صورتوں میں جہاد کو فرض عین قرار دیا گیا ہے، ان میں سے دوسری صورت یہ ہی ہے کہ کافر کسی مسلمان ملک پر چڑھ آئیں تو وہاں کے رہنے والوں پر جہاد فرض عین ہو جائے گا۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے الفتاویٰ الکبریٰ (۴۰۸/۴) پر انتہائی وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ تمام مسلم ممالک بمنزلہ ایک ملک کے ہیں اور جب دشمن کسی ایک ملک پر بھی حملہ آور ہوں تو سب پر ''الأ قرب فالأ قرب'' کے تحت جہاد فرض عین ہو جائے گا۔

انتہائی عبرت کا مقام ہے کہ فقہاء کرام تو بالاتفاق مسلمانوں کی سرزمین کے دفاع کو فرض عین قرار دیں اور کچھ لوگ اس کو ''زمین کے لیے لڑائی اور فساد'' کہیں۔

انتہائی بلندی اور انتہائی پستی

مسلمانوں کے دور اولین میں جب سات ہزار کے لشکر کے ساتھ طارق بن زیادؒ اندلس کے ساحل پر پہنچے تو مشہور ہے کہ طارقؒ نے اپنی کشتیاں جلا دیں تاکہ فتح یا موت کے سوا لشکر کے سامنے کوئی تیسرا راستہ نہ رہے علامہ اقبالؒ نے اسی واقعہ کو فارسی نظم کے خوبصورت پیرائے میں پیش کرتے ہوئے کہا:

طارق چو بر کنارہ اندلس سفینہ سوخت
گفتند کارِ توبہ نگاہ خرد خطا است
دو ریم از سواد وطن باز چوں رسیم؟

ترک سبب زروئے شریعت کجا رواست؟

خندید و دست خویش بہ شمشیر برد و گفت

ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست

یعنی طارق نے جب اندلس کے ساحل پر اپنی کشتی جلائی تو لوگوں نے کہا کہ عقل کی نگاہ میں تمہارا یہ عمل بڑی غلطی ہے۔

ہم لوگ اپنے وطن کی سرزمین سے دور ہیں، اب وطن کیسے پہنچیں گے؟

اسباب کو ترک کرنا تو شریعت کی رو سے بھی جائز نہیں ہے۔

طارق جواب میں مسکرایا اور اپنا ہاتھ تلوار تک لے جا کر بولا

''ہر ملک ہمارا ملک ہے، اس لیے کہ وہ ہمارے خدا کا ملک ہے''

ایک وقت اُمت مسلمہ کا وہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے وعدوں کو برحق سمجھتے ہوئے ساری دنیا پر اسلام کا پرچم لہرانے کے لیے کوشاں تھی اور وہ پوری دنیا میں اللہ کے بندوں کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی غلامی میں لانے کا مشن لے کر اپنے گھروں سے نکلے تھے اور دنیا کی تمام حد بندیاں ان کے سامنے ختم ہو کر رہ گئی تھیں مگر آج پستی کا یہ عالم ہے کہ مسلمانوں کے کئی بڑے بڑے ممالک جن میں سے ایک اندلس بھی ہے، صدیوں سے صلیب کے پنجے میں سسک رہے ہیں مگر مسلمانوں کو نہ صرف یہ کہ ان کی کوئی پرواہ نہیں بلکہ جو لوگ اعلاءِ کلمۃ اللہ کی خاطر اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر کے مسلم ممالک کا دفاع کر رہے ہیں، وہ ہی ان کی نظر میں مجرم ٹھہرتے ہیں۔

”پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے“

ایک غلط فہمی کا ازالہ

سابقہ تمام معروضات سے یہ بات تو پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ مسلمانوں کا اپنی زمین کے دفاع کے لیے لڑنا ہر طرح سے شرعی جہاد ہے مگر یہ تب ہی ہے کہ جب اس راہ میں برسرِ پیکار مسلمان کی نیت اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی، نظامِ اسلام کا نفاذ اور مظلوم مسلمانوں کی مدد کرنا ہو۔ الحمدللہ تعالیٰ ساری دنیا میں مجاہدین اسلام، انہی مقاصد اساسیہ کو اپنا ہدف بنا کر جہاد کر رہے ہیں۔ البتہ جو لوگ محض قومیت کی بنیاد پر یا نسل پرستی کے فلسفہ کے زیر اثر اپنے علاقوں کی آزادی کے لیے کوشاں ہیں، بلاشبہ وہ شرعاً جہاد نہیں کر رہے کیونکہ حدیث پاک میں اس بات کی تصریح ہے کہ مجاہد وہ ہی ہے جو اللہ کے راستے میں اس لیے لڑتا ہے تاکہ اللہ کا کلمہ سربلند ہو۔ ویسے بھی اسلامی تعلیمات میں قومیت اور نسل پرستی کی کوئی گنجائش نہیں ہے، مگر اس بات کو بنیاد بنا کر مجاہدین اسلام کے شرعی جہاد سے انکار کر دینا انتہائی ناانصافی اور فکری گمراہی کی بات ہے۔

اللہ کریم ہم سب کو عملاً جہاد کرنے کی اور مجاہدین کا دست و بازو بننے کی توفیق عطاء فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

حماس کا اعلان

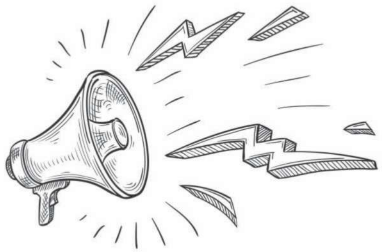

اخت اطہر

اسلامی تحریک مزاحمت (حماس) نے اعلان کیا ہے کہ اس مرحلے پر جماعت کی سب سے بڑی ترجیح غزہ کی پٹی پر قابض اسرائیلی جارحیت اور جاری نسل کشی کا فوری خاتمہ ہے۔ حماس نے ایک بار پھر اس بات کا اعادہ کیا کہ وہ فلسطینی قوم کے تمام ناقابلِ تنسیخ قومی حقوق اور اپنی سرزمین کے دفاع و آزادی کی جدوجہد سے کبھی دستبردار نہیں ہوگی۔

حماس کے رہنما فوزی برہوم نے غزہ میں طوفان الاقصیٰ کی دوسری سالگرہ کے موقع پر پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ فلسطینی عوام گذشتہ دو برسوں سے ایک ایسی

جنگ برداشت کر رہے ہیں جس میں انہیں منظم طریقے سے ختم کرنے، بھوکا مارنے، ان کا وجود مٹانے اور جبری بے دخلی کا نشانہ بنایا گیا ہے۔

یہ وہ جارحیت ہے جس کی مثال جدید تاریخ میں نہیں ملتی۔

قابض اسرائیل اپنے تمام اہداف میں ناکام

فوزی برہوم نے واضح کیا کہ قابض اسرائیل اپنے تمام جنگی اہداف میں بری طرح ناکام ہوا ہے۔ وہ نہ تو فلسطینیوں کو زبردستی بے دخل کر سکا نہ ہی اپنے قیدیوں کو طاقت کے زور پر چھڑا سکا۔ قابض قوت نے فلسطینیوں کے خلاف وحشیانہ قتل عام اور منظم درندگی کے باوجود کوئی سیاسی یا عسکری کامیابی حاصل نہیں کی۔

انہوں نے بتایا کہ اس جنگ کے نتیجے میں اب تک 67 ہزار سے زائد فلسطینی شہید، 1 لاکھ 70 ہزار سے زیادہ زخمی اور 15 ہزار سے زائد لاپتہ ہو چکے ہیں، جن میں اکثریت خواتین اور بچوں کی ہے۔ برہوم نے انکشاف کیا کہ قابض اسرائیل کی جانب سے دانستہ مسلط کی گئی بھوک کی پالیسی کے باعث 500 سے زائد فلسطینی شہید ہو چکے ہیں جبکہ امریکہ اس نسل کشی میں مکمل طور پر شریک اور اقوام متحدہ شرمناک حد تک خاموش تماشائی بنی ہوئی ہے۔

انہوں نے بتایا کہ اس جارحیت کے 95 فیصد شہدا عام شہری ہیں جو کسی محاذِ جنگ کا حصہ نہیں تھے۔ یہ جرم ہمیشہ کے لیے قابض اسرائیل، اس کے حامیوں اور مجرم خاموش رہنے والوں کے چہروں پر بدنما داغ بن کر رہے گا۔

فلسطینی مزاحمت کا عزم قائم

فوزی برہوم نے کہا کہ فلسطینی مزاحمت اپنا قانونی اور اخلاقی حق ادا کرتی رہے گی اور آزادی کے حصول تک قابض دشمن کے خلاف جدوجہد جاری رکھے گی۔ انہوں نے زور دے کر کہا کہ فلسطینی عوام کی عظیم قربانیاں ہرگز رائیگاں نہیں جائیں گی۔

انہوں نے بتایا کہ مغربی کنارے اور مقبوضہ بیت المقدس بھی قابض اسرائیلی حکومت کے فسطائی عزائم اور گریٹر اسرائیل کے مذموم منصوبوں کی زد میں ہیں، جن کا مقصد زمینوں پر قبضہ، آبادیوں کی جبری منتقلی اور مسجد اقصیٰ کی زمانی و مکانی تقسیم ہے۔

برہوم نے کہا کہ یہ عزائم اس حقیقت کو آشکار کرتے ہیں کہ قابض اسرائیل محض ایک غاصب نہیں بلکہ ایک توسیع پسند طاقت ہے جو پورے خطے اور عالمی امن کے لیے خطرہ بن چکی ہے۔

انہوں نے کہا کہ قابض اسرائیل کی جیلوں میں اسیر فلسطینیوں کو دوہرا عذاب دیا جا رہا ہے۔ ان میں سے 80 کے قریب اسیر شہید ہو چکے ہیں جن میں 50 کا تعلق غزہ سے ہے۔ ان کی شہادت کی وجوہات میں مسلسل اذیت، طبی غفلت اور خوراک و علاج سے محرومی شامل ہیں۔

فلسطینی وجود کو مٹانے کی جنگ

برہوم نے کہا کہ قابض اسرائیل کی دو سالہ جنگ دراصل حماس یا مزاحمتی گروہوں کے خلاف نہیں بلکہ فلسطینی وجود کے مکمل خاتمے کے لیے ہے۔ اس کا مقصد فلسطینی عوام کی مزاحمت توڑنا، ان کی شناخت مٹانا اور ان کے حقِ واپسی و آزادی کو ختم کرنا ہے۔

انہوں نے کہا کہ قابض اسرائیلی رہنماؤں کے گریٹر اسرائیل کے خواب اور ان کے بیانات ان کے نوآبادیاتی عزائم کا واضح ثبوت ہیں۔ ان خطرناک عزائم کے مقابلے میں امت مسلمہ کو متحد ہو کر عملی اقدامات اٹھانے کی ضرورت ہے۔

برہوم نے واضح کیا کہ جنگی مجرم بنجمن نیتن یاھو اور اس کے امریکی سرپرست غزہ میں ہونے والے جنگی جرائم اور نسل کشی کے مکمل طور پر ذمہ دار ہیں۔

انہوں نے کہا کہ معرکہ طوفان الاقصیٰ نے فلسطینی کاز کو ایک بار پھر عالمی سطح پر زندہ کر دیا اور قابض اسرائیل کے فسطائی چہرے کو بے نقاب کر دیا ہے۔ اس معرکے نے دنیا کو فلسطینیوں کے عزم، حقِ آزادی اور مزاحمت کی حقیقت سے روشناس کرایا۔

چھ بنیادی مطالبات

انہوں نے بتایا کہ قاہرہ میں جاری مذاکرات میں حماس کا وفد فلسطینی عوام کے مفاد میں درج ذیل چھ نکات پر قائم ہے:

1 غزہ پر قابض اسرائیل کی جارحیت کا مکمل اور مستقل خاتمہ۔

2 غزہ کی تمام زمینوں سے قابض فوج کا مکمل انخلا۔

3 انسانی وامدادی سامان کی بلا تعطل فراہمی۔

4 تمام بے گھر فلسطینیوں کی واپسی کی ضمانت۔

5 قومی ٹیکنوکریٹ کمیٹی کے تحت غزہ کی تعمیرِ نو کا آغاز۔

6 قیدیوں کے تبادلے کا منصفانہ معاہدہ۔

برہوم نے خبردار کیا کہ بنجمن نیتن یاھو ان مذاکرات کو ناکام بنانے کے لیے دانستہ

رکاوٹیں ڈال رہا ہے، جیسا کہ وہ ماضی کی تمام کوششوں کو ناکام بنا چکا ہے۔

انہوں نے کہا کہ امریکہ کی غیر مشروط حمایت اور قابض اسرائیل کی طاقت کے باوجود وہ اپنی شکست کو چھپا نہیں سکتے۔ ان کا نام نہاد "فتح" کا بیانیہ حقیقت میں ان کی ناکامی کا اعتراف ہے۔

شہدا کو خراجِ عقیدت

فوزی برہوم نے کہا کہ طوفان الاقصیٰ کی دوسری سالگرہ پر ہم اپنے ان تمام شہدا کو سلام پیش کرتے ہیں جنہوں نے آزادی کی راہ میں اپنی جانیں قربان کیں۔

انہوں نے کہا کہ ہم اپنے عظیم قائدین کو نہیں بھول سکتے جنہوں نے طوفان الاقصیٰ میں جامِ شہادت نوش کیا۔ ان میں سرفہرست ہیں: قائدِ مزاحمت اسماعیل ہنیہ، صالح العاروری، یحییٰ السنوار اور محمد الضیف، جو القسام بریگیڈز کے عسکری سربراہ تھے۔ ان کے علاوہ لبنان، یمن، ایران، اردن، ترکیہ اور قطر سے تعلق رکھنے والے ہمارے برادرانِ وفا کے خون نے بھی فلسطین کی مٹی کو سرخ کر دیا۔

انہوں نے امتِ مسلمہ اور دنیا بھر کے آزاد انسانوں سے اپیل کی کہ وہ فلسطینی عوام کے ساتھ اپنی عملی حمایت میں اضافہ کریں، تاکہ ان کا عزم برقرار رہے اور وہ اپنی آزاد ریاست کے قیام اور القدس کو دارالحکومت بنانے کے خواب کو شرمندہ تعبیر کر سکیں۔

منگل کا دن طوفان الاقصیٰ کی دوسری سالگرہ ہے، وہ معرکہ جو القسام بریگیڈز نے سات اکتوبر کو شروع کیا اور جس نے قابض اسرائیل کی نام نہاد سکیورٹی مشینری کو لرزا کر رکھ دیا۔ اس معرکے نے دشمن کے خفیہ نظام اور عسکری ساکھ کو دنیا کے سامنے بے نقاب کر دیا۔

مُزاحمت

بنت ظہیر

جب قید کے فولادی دروازے کھلے اور برسوں بعد فلسطینی اسیران روشنی میں نکلے تو منظر تاریخ کے کسی معجزے سے کم نہ تھا۔

پچاس اور ساٹھ برس کے وہ چہرے جن پر وقت کے نشانات کندہ تھے، اپنے بچوں اور پوتوں کے سامنے کھڑے تھے جو انہیں صرف تصویروں میں جانتے تھے۔ گھروں کی دہلیز پر گلے ملنے والے یہ لمحات صدیوں کی جدائی کے آنسوؤں سے تر تھے۔

"طوفان الاحرار" معاہدے کے تحت جب فلسطینی اسیران اپنے اہلِ خانہ کے آغوش میں پہنچے تو ماؤں کے ہاتھ لرز رہے

تھے، آنکھیں یقین اور بے یقینی کے درمیان جھول رہی تھیں۔ جب کسی ماں نے بیٹے کی آواز پہچانی یا آنکھوں کی لرزش دیکھی تو ضبط ٹوٹ گیا، آنسوؤں کا سمندر بہہ نکلا۔

یہ محض قیدیوں کی رہائی نہیں تھی، یہ تاریخ کی قید سے آزادی کی واپسی تھی۔ وہ نسل جو قابض اسرائیل کے سیاہ زندانوں میں جوان ہوئی، آج مزاحمت کے عزم کی صورت کھڑی تھی۔

یہ کہانیاں ایک سچائی دہراتی ہیں، آزادی دی نہیں جاتی، چھینی جاتی ہے۔

قابض اسرائیل کبھی رضا کارانہ طور پر کسی فلسطینی مجاہد کو رہا نہیں کرتا۔ اس کے فولادی دروازے صرف تب کھلتے ہیں جب میدانِ مزاحمت میں اس کی طاقت ٹوٹ جاتی ہے۔

آزادی ہمیشہ خون کے نذرانے سے لکھی جاتی ہے اور غزہ نے اس سچائی پر اپنے جسم سے مہر ثبت کی ہے۔ اس کے ملبوں سے اٹھتی چیخیں اور اذانیں آج بھی گواہی دے رہی ہیں کہ مزاحمت کبھی مر نہیں سکتی۔

"طوفان الاقصیٰ" معاہدے میں فلسطینی مزاحمت نے 3985 اسیران کو رہائی دلوائی، جن میں سینکڑوں ایسے تھے جنہیں عمر قید یا طویل سزاؤں پر قید رکھا گیا تھا۔

فلسطینی اسیران کا مسئلہ ہمیشہ جدوجہدِ آزادی کا بنیادی ستون رہا ہے۔ قابض اسرائیل انہیں سودے بازی کا ہتھیار سمجھتا ہے، مگر فلسطینی قوم انہیں عزت، استقامت اور آزادی کی علامت مانتی ہے۔

سنہ 1948ء سے آج تک فلسطینی مزاحمت کی ہر لہر نے اسیران کی رہائی کو اپنا

مرکزی ہدف بنایا۔

ہر معاہدہ طاقت کے توازن کا نیا پیمانہ ثابت ہوا۔ ایک طرف اپنی زمین سے جڑی ایک غیرت مند عوام اور دوسری طرف ایک مغرور قابض جو خود کو "جمہوریت" کے لبادے میں چھپاتا ہے مگر دراصل ایک نسل پرست قاتل ریاست ہے۔

قابض اسرائیل نے کبھی انسانیت یا قانون کے تحت اسیر نہیں چھوڑے، بلکہ ہمیشہ مزاحمت کی گولیوں، خندقوں اور قربانیوں کے دباؤ میں آکر جھکنا پڑا۔

یہی وہ تاریخی تسلسل ہے جس نے فلسطین کی مزاحمت کو دنیا بھر کی آزادی کی تحریکوں کا تسلسل بنادیا۔

"طوفان الاقصیٰ" معاہدہ اس لیے بھی سنگِ میل ہے کہ یہ اس وقت عمل میں آیا جب قابض اسرائیل نے غزہ پر 735 دن طویل قتل عام، قحط اور بمباری مسلط کر رکھی ہے جو سات اکتوبر سنہ 2023ء سے جاری ہے۔

مگر یہ پہلا موقع نہیں جب مزاحمت نے دشمن کو جھکنے پر مجبور کیا۔ گذشتہ کئی دہائیوں میں فلسطینیوں اور عرب مجاہدین نے متعدد بار قابض اسرائیل کو قیدیوں کے تبادلے پر آمادہ کیا۔ ہر بار مزاحمت نے اپنی ثابت قدمی سے دشمن کی نام نہاد طاقت کے غرور کو چکنا چور کیا۔

صہیونی رعونت جسے فلسطینی مزاحمت کے سامنے بار بار جھکنا پڑا۔

فروری 1980ء میں قابض اسرائیل نے فلسطینی مجاہد مہدی بسیسو (ابو علی) اور ولیم نصار کو رہا کیا، بدلے میں اردنی جاسوس امینہ داوود المفتی کو واپس لیا۔

نومبر 1983ء میں تنظیم آزادی فلسطین نے چھ اسرائیلی فوجیوں کے بدلے ساڑھے چار ہزار فلسطینی اسیران کو رہائی دلوائی۔ یہ اُس وقت کی سب سے بڑی تاریخی کامیابی تھی۔

مئی 1985ء میں معروف "جبریل معاہدہ" کے تحت 1155 فلسطینیوں کی آزادی عمل میں آئی، جو آج بھی فلسطینی مزاحمت کی تاریخ میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

اکتوبر 1997ء میں حماس کے بانی شیخ احمد یاسین کی رہائی نے دنیا کو دکھایا کہ ایمان اور مزاحمت کی طاقت فولاد سے زیادہ مضبوط ہے۔

اکتوبر 2011ء میں "وفاء الاحرار" معاہدے کے تحت القسام بریگیڈز نے ایک اسرائیلی فوجی کے بدلے 1027 فلسطینی اسیران کو رہا کرایا ایک بار پھر دنیا نے دیکھا کہ قابض طاقت کو جھکانے والی اصل قوت مزاحمت ہے، نہ کہ ہتھیاروں کی تعداد۔

یہ تمام معاہدے صرف فلسطینی اسیران کی رہائی نہیں، بلکہ دشمن کے غرور کی شکست کا باب ہیں۔ ہر رہائی کے ساتھ ایک سچ اور روشن ہوا۔۔۔

کہ قابض کی جیلیں جتنی بھی گہری ہوں، ایمان کی روشنی ان کی فصیلوں کو چیر دیتی ہے۔

فلسطینی مزاحمت کی یہ داستان دنیا کے ہر مظلوم کو بتاتی ہے کہ جب قوم اپنی آزادی کے لیے متحد ہو جائے، تو سب سے مضبوط زنجیریں بھی ٹوٹ جاتی ہیں۔

غزہ کے بچے، ان کی مائیں، اس کے مجاہد سب ایک عہد کی تمثیل بن چکے ہیں۔

وہ دنیا کو یاد دلا رہے ہیں کہ

مزاحمت ہی آزادی کی کنجی ہے۔

4

دعاؤں کی قبولیت کے سنہرے واقعات

اُم احمد عبدالرحمن

یکایک ایک انہونی ہوئی کہ اس بچے کے دل نے ایک بار پھر حرکت شروع کر دی۔ ایک دفعہ پھر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ہم نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ جہاں تک اولاد کے معاملے میں ماں کی خوشی کا تعلق ہے اس کا اندازہ آپ بخوبی کر سکتے ہیں۔

وقت گزرتا چلا گیا۔ بچے پر کئی طرح کی کیفیات آتی رہیں۔ اس کی حالت بہتر ہو جاتی اور کبھی کافی خراب ہونے لگتی۔ مگر اس کی والدہ نہایت مطمئن نظر آتی۔ اس کا اکثر وقت دُعا میں گزرتا۔

ساڑھے تین ماہ گزر گئے بچہ مسلسل انتہائی نگہداشت کے کمرہ میں ہی رہا۔ اس کے سر میں ورم ہو گیا۔ ڈاکٹروں کی ٹیم مسلسل علاج کرتی رہی۔ مگر دن بدن بچے کی حالت خراب ہوتی چلی گئی۔ ڈاکٹروں کی رائے کے مطابق بچے کا بچنا محال تھا۔ چونکہ میں ICU کا نگران تھا۔ لہٰذا میں نے بچے کی والدہ کو ذہنی طور پر تیار کرنا شروع کر دیا۔ اور اسے بتایا کہ اب تمہارے بیٹے کا زندہ رہنا بہت مشکل ہے۔ اگر اس کو دل کا دورہ نہیں بھی پڑتا تو بھی اس کے سر میں ورم ہو چکا ہے جس سے اس کی جان کو خطرہ ہے۔

اس خاتون نے پھر الحمدللہ کہا اور چلی گئی۔ میں نے دیکھا کہ اس خاتون کا اللہ رب العزت کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہے۔ اس کے یہ الفاظ کہ ''اے اللہ اگر اس بچے کی تندرستی میں خیر ہے تو میرے رب اسے شفاء عطاء فرما''۔ اس کے اللہ پر ایمان کو ظاہر کرنے کے لیے کافی تھے۔

اس بچے کے مرض کی کہانی خاصی لمبی ہے مگر ساری بات کا خلاصہ یہ ہے کہ طبی نکتہ نظر سے اس بچے کی موت ایک سے زیادہ مرتبہ واقع ہو چکی تھی لیکن جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔ میں نے محسوس کیا کہ اس بچے کی والدہ نہایت صابرہ اور شاکرہ خاتون ہے۔ اپنی 23 سالہ ہسپتال کی نوکری کے دوران میں نے اس جیسی خاتون نہیں دیکھی۔

ایک دن ایسا ہوا کہ بچے کے گردوں نے کام کرنا بند کر دیا۔ اب ہمارا یہی تجزیہ تھا کہ اس بار تو یہ نہیں بچے گا۔ میں نے پھر ہمت کر کے اس کی والدہ کو بتایا۔ اس نے ہمیشہ کی طرح ''**الحمدللہ**'' کہا اور چلی گئی۔

یہ بچہ چار ماہ تک موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا رہا کہ اچانک ایک دن بچے کو عجیب و غریب مرض لاحق ہو گیا۔ میں نے اپنی پوری زندگی میں ایسا خطرناک مرض نہیں دیکھا۔ ہم ڈاکٹر لوگ بہت پریشان تھے اس کے سینے پر سوجن ہو گئی تھی۔ ہم نے سارے جتن کر ڈالے مگر بچے کی حالت بتدریج خراب ہوتی چلی گئی۔ میں نے اس کی والدہ سے کہا: اب تمہارے بیٹے کے زندہ رہنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ اس کی والدہ نے حسبِ سابق ''**الحمدللہ**'' کہا اور کہنے لگی: ''اے میرے رب اگر اس بچے کے زندہ رہنے میں خیر ہے تو اسے زندگی عطاء فرما'' چھ ماہ سے زیادہ عرصہ گزر چکا تھا۔ اب بچے نے بولنا، سننا اور دیکھنا بھی بند کر دیا وہ حرکت کرنے سے بھی قاصر تھا۔ مگر اس کی صابرہ والدہ بچے کے ساتھ چپکی ہوئی اس کی صحت یابی کے لیے دُعائیں کر رہی تھی۔

کیا آپ سوچ سکتے ہیں کہ اس کے بعد کیا ہوا؟ اس کی والدہ کے پاس ایک ہی سہارا تھا اور وہ تھا اپنے مولا سے دُعا کا سہارا۔ بالآخر اس کی التجائیں رنگ لے آئیں۔

کم وبیش آٹھ ماہ کی شدید بیماری کے بعد ایک دن ایسا آیا کہ وہ بچہ بالکل تندرست ہو گیا اور اپنی والدہ کے ساتھ ہسپتال میں دوڑ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اسے کوئی بیماری ہے۔

ڈیڑھ سال کا عرصہ گزر گیا۔ ایک دن میں ہسپتال میں تھا کہ ہمارے ایک ساتھی نے مجھے بتایا کہ کمرہ انتظار میں ایک آدمی، اس کی بیوی اور دو بچے بیٹھے ہیں وہ آپ سے ملنے کے خواہاں ہیں۔

میں نے پوچھا: وہ کون ہیں؟ اس نے جواب دیا: مجھے معلوم نہیں۔ میں ان کو ملنے گیا تو انہیں دیکھ کر پہچان گیا کہ وہی بچہ ہے جس کا ہم علاج کرتے رہے تھے۔ میں نے دیکھا کہ بچہ بالکل تندرست اور توانا ہے۔ بالکل خوبصورت پھول کی طرح، شوخ، چنچل ہر قسم کی بیماری سے پاک، والدین کے پاس کھیل رہا ہے۔ اس کے ساتھ اس کا نومولود بھائی بھی ہے۔ اس کے والدین نہایت محبت سے ملے۔ وہ میرا شکریہ ادا کرنے آئے تھے۔ میں نے نومولود کی طرف اشارہ کر کے مزاحاً اس کے والد سے پوچھا کہ اس کا اولاد میں کون سا نمبر ہے۔ 13 یا 14 نمبر میں خود ہی گنتا چلا گیا۔

میں نے باپ کی طرف دیکھا اس نے میری طرف گہری نظروں سے دیکھا اور پھر کہنے لگا: ڈاکٹر صاحب! یہ میرا دوسرا بیٹا ہے۔ اور بڑا بیٹا وہی ہے جس کا آپ علاج کرتے رہے ہیں۔ وہ میری شادی کے 17 سال کے انتظار کے بعد پیدا ہوا تھا۔ میں اسے علیحدہ کمرے میں لے گیا اور کہا کہ دوست میں نے اپنی تمام زندگی میں تمہاری بیوی سے زیادہ صابرہ اور شاکرہ عورت کوئی نہیں دیکھی۔ سترہ سال کے انتظار کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کے ہاں پھول کھلایا مگر وہ بچہ جس قسم کے امراض میں مبتلا تھا اور اس عورت نے جس محبت، محنت اور صبر سے اس بچہ کی تیمارداری کی اس کی مثال بڑی مشکل سے ملتی ہے۔

اس کے خاوند نے میرا بازو تھام لیا اور کہنے لگا: ڈاکٹر صاحب! میری اس خاتون سے شادی 19 سال قبل ہوئی تھی۔ اس خاتون نے شرعی عذر کے بغیر کبھی نمازِ تہجد ترک نہیں کی۔ میں نے کبھی اسے جھوٹ بولتے، شغل و مذاق کرتے یا کسی کو بُرا بھلا کہتے نہیں سنا۔ میں جب بھی گھر جاتا یہ ہمیشہ نہایت خوش دلی سے میرا استقبال کرتی۔ اس کی زبان پر ہر وقت میرے لیے اور گھر کی خیر و برکت کے لیے دُعائیں ہوتیں۔ ایک اتنی محبت کرنے والی خاتون، اللہ کا خوف رکھنے والی اس کے سامنے جھکنے والی اور رو رو کر دُعائیں مانگنے والی خاتون۔۔۔ اور میں ورطہ حیرت میں ڈوب گیا۔

12۔ چار دُعائیں

ایک بہت مالدار شخص انتہا درجے کا شرابی اور مغرور تھا۔ دولت کے نشے میں چور اس شخص کو کسی کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ اس کی مجلس میں ہر وقت جام چھلکتے رہتے۔ ایک دن اس کے ہاں اسی طرح کی مجلس قائم تھی۔ اس نے کچھ دوستوں کو شراب و کباب کی محفل میں مدعو کر رکھا تھا۔ اپنے غلام کو اس نے چار درہم دیے اور کہا: جاؤ بازار سے ان مہمانوں کے لیے پھل خرید کر لے آؤ۔ راستے میں غلام کی ملاقات ایک زاہد و عابد شخص منصور بن عمار سے ہو گئی جو غریب الدیار مسافر، مگر مستجاب الدعوات تھے۔

غلام نے انہیں کہتے ہوئے سنا: جو مجھ غریب مسافر کو چار درہم دے گا میں اس کے لیے چار دُعائیں کروں گا۔ غلام نے جھٹ سے وہ چار درہم نکالے اور انہیں تھما دیے۔ منصور بن عمار کہنے لگے: بتاؤ میں تمہارے لیے کون سی چار دُعائیں کروں؟ غلام نے کہا: میرا آقا

انتہائی سنگدل ہے، پہلی دُعا تو یہ کیجیے کہ میری اس سے جان چھوٹ جائے۔ دوسری یہ کہ میں نے جو چار درہم دیے ہیں اللہ تعالیٰ ان کا نعم البدل عطاء فرمائے۔ تیسری یہ کہ میرا آقا شراب نوشی اور دیگر کبائر کا عادی ہے۔ اللہ تعالیٰ میرے آقا کو توبہ کرنے کی توفیق عطاء فرمائے اور چوتھی یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے، میرے آقا کو، آپ کو اور ساری قوم کو معاف فرمائے۔ منصور بن عمار نے غلام کے لیے یہ دُعائیں کر دیں۔

غلام جب واپس آیا تو مالک نے دیکھتے ہی اسے ڈانٹنا شروع کر دیا: اتنی تاخیر سے کیوں آئے ہو؟ تمہارے ہاتھ بھی خالی ہیں، پھل کہاں ہیں؟ جواب میں غلام نے منصور بن عمار کے ساتھ پیش آنے والا پورا واقعہ کہہ سنایا۔ غلام کی وضاحت سن کر مالک کا غصہ ٹھنڈا پڑ گیا۔ پھر وہ کچھ سوچ بچار کے بعد بولا: تم نے اپنے بارے میں کیا دُعا کروائی تھی؟ میں نے اپنے بارے میں یہ دُعا کروائی کہ مجھے آپ کی غلامی سے نجات مل جائے۔ مالک نے کہا: جاؤ تم آزاد ہو، مالک نے پھر پوچھا: دوسری دُعا کون سی تھی؟ غلام نے بتایا: اللہ تعالیٰ ان چار درہم کا بہترین نعم البدل عطاء فرمائے۔ مالک نے کہا: ان چار درہم کے بدلے میں تمہیں چار ہزار درہم دینے کا اعلان کرتا ہوں۔ مالک نے پھر پوچھا: تیسری دُعا کون سی تھی؟ غلام نے بتایا: یہ کہ اللہ تعالیٰ آپ کو توبہ کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ مالک نے سر جھکا لیا۔ اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے اور پھر اس نے شراب کے برتنوں کو ہٹانا اور توڑنا شروع کر دیا اور پُرعزم لہجے میں کہا: اچھا...... میں توبہ کرتا ہوں...... آئندہ میں کبھی شراب کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا۔ پھر پوچھا: چوتھی دُعا کون سی تھی؟ غلام نے بتایا: یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے،

آپ کو، شیخ منصور بن عمار اور ہماری ساری قوم کو معاف فرمائے۔ مالک نے کہا: میں اس معاملے میں بے بس ہوں، میرے اختیار میں کچھ نہیں ہے۔ یہ تو اللہ کا کام ہے، وہ بخشنے والا انتہائی مہربان ہے۔ جب مالک رات کو سویا تو اسے خواب میں بشارت دی گئی کہ جو کام تمہارے بس میں تھے تم نے کر دیے اب تمہارا کیا خیال ہے کہ جو کام اللہ کے اختیار میں ہے وہ کیا اسے نہیں کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے تجھے، تیرے غلام، منصور بن عمار اور دیگر تمام حاضرین کو معاف فرما دیا ہے۔

(من کتاب ساعة و ساعة، للشیخ محمود المصری)

13۔ادائے قرض کی دُعا

سیدنا علی بن ابی طالبؓ کی خدمت میں ایک دفعہ ایک مقروض غلام آیا اور کہنے لگا:

''آزادی کے لیے طے کی جانے والی رقم کے قرض نے تو مجھے عاجز کر دیا ہے۔ ہو سکے تو میری کچھ مدد کر دیجئے۔''

آپ نے جواب دیا: میں تمہیں وہ الفاظ سکھاتا ہوں جو مجھے رسول اللہ ﷺ نے سکھائے تھے۔ جبل ''صیر'' کے برابر بھی قرض ہوا تو اللہ تعالیٰ اُتار دے گا۔ تم یہ دُعا کیا کرو:

اللّٰهُمَّ اكْفِنِي بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَ أَغْنِنِي بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ.

''الٰہی! رزق حلال کو حرام کے مقابلے میں میرے لیے کافی کر دے اور مجھے اپنے فضل سے اپنے سوا ہر ایک سے بے نیاز کر دے''۔ (جامع الترمذی، حدیث 3563)

14۔ایک دلچسپ واقعہ

یہ واقعہ شیخ عبدالعزیز عقیل نے اپنے پرسوز لیکچر بعنوان ''عبرت انگیز واقعات'' میں بیان کیا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ میرے ایک قریبی عزیز نابینا حافظ اور بہت صالح انسان تھے۔ میں ان سے اکثر ملنے جاتا۔ بچے بڑے سبھی ان سے بڑی محبت کرتے تھے۔ میں زندگی کی سترہ بہاریں دیکھ چکا تھا۔ ایک روز میں ان سے ملنے گیا تو انہوں نے مجھ سے کہا: میاں! تم شادی کیوں نہیں کر لیتے؟

میں نے معاشی مسائل کا ذکر کیا تو کہنے لگے:

''بیٹے! صدق دل سے دُعا کرو۔ رب تعالیٰ کے در پر دستک دو۔ آسانی کی اُمید رکھو۔''

پھر انہوں نے مجھ سے اپنا ذاتی واقعہ بیان کیا۔ میں نے گوش برآواز ہو کر سنا۔ وہ کہہ رہے تھے:

میرا گھرانا بے حد غریب تھا۔ ہم بڑی کسمپرسی کی زندگی گزارتے تھے۔ میں ٹھہرا پیدائشی نابینا اور بدصورت۔ مجھ میں تھا کیا جو کوئی مجھے اپنی لڑکی دیتا۔ اس کے باوجود میں شادی کرنا چاہتا تھا۔ والد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: ابا جان! میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔ والد صاحب میری بات سن کر پہلے تو خوب ہنسے، پھر کہنے لگے: ''برخوردار! ہمیں بھلا کون اپنی بیٹی دے گا۔ تم جانتے ہو کہ تم پیدائشی نابینا ہو۔ اس پر ہماری یہ غربت اور بے مائیگی ایک اور بڑی مصیبت ہے''۔

میرا اور اپنا مذاق اڑا کر وہ تھوڑی دیر خاموش رہے، پھر بولے: ’’خیر، صبر کا دامن تھامے رکھو۔ ہماری حالت زار تو تمہارے سامنے ہے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ کیا سبیل نکالتا ہے۔

والد صاحب کی باتوں سے میں بہت دل برداشتہ ہوا۔ ان کا صاف جواب پا کر میں والدہ محترمہ کی خدمت میں گیا۔ میری عمر اس وقت یہی کوئی چوبیس پچیس کے قریب رہی ہوگی۔ ارادہ تھا کہ والدہ سے بات کرتا ہوں، وہ والد صاحب کو اپنے طریقے سے سمجھائیں گی۔ والدہ سے بات کی تو انہوں نے بھی میری عقل کا ماتم کیا۔ بولیں: لڑکے! دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا! شادی کے لیے پیسے کہاں سے آئیں گے۔ رقم کی تو خود ہمیں اشد ضرورت ہے۔ قرض خواہوں نے روز روز کے مطالبات سے ناک میں دم کر رکھا ہے اور تمہیں شادی کی پڑی ہے‘‘۔

غرض والدہ نے بھی ایسی ایسی دکھ دینے والی باتیں کہیں کہ میں تو باقاعدہ رونے لگا۔ پھر خود ہی حوصلہ کیا اور چپ ہو رہا۔ سوچا ابھی یہ دونوں غصے میں ہیں۔ چند دنوں میں پھر بات کرتا ہوں۔ شاید یہ دونوں ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچیں۔

چند روز ٹھہر کر پھر بات کی لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوسکا۔

میں نے سوچا میں بھی کتنا احمق ہوں۔ رب تعالیٰ کے دروازے پر دستک کیوں نہیں دیتا۔ میں نے رات کے پچھلے پہر نماز پڑھی اور گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ کو پکارا۔ میں نے عرض کیا: ’’میرے مالک! لوگ کہتے ہیں کہ میں بھوکا ہوں، غریب ہوں۔ الٰہی! مجھے غریب تو آپ

ہی نے کیا ہے۔لوگ کہتے ہیں کہ میں اندھا ہوں۔ میرے رب! میری بصارت تو آپ ہی نے لی ہے۔لوگ باتیں کرتے ہیں کہ میں بدصورت ہوں۔ یارب! یہ شکل بھی تو آپ ہی کی بنائی ہوئی ہے۔ آپ ہی ہیں میرے مولا، میرے آقا، میرے رب۔ آپ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ الٰہی! آپ جانتے ہیں کہ میں بھی دوسرے لوگوں کی طرح شادی کی خواہش رکھتا ہوں لیکن کوئی حیلہ وسیلہ نہیں۔ میرے ماں باپ عاجز و درماندہ ہیں، اس لیے انہوں نے معذوری ظاہر کردی ہے۔ میں نے بھی ان کا عذر قبول کرلیا ہے کیونکہ وہ واقعی عاجز و بے مایہ ہیں۔ لیکن اے میرے اللہ! آپ تو ہرگز عاجز نہیں ہیں۔ مجھ پر نظر کرم کیجئے اور میرے لیے شادی کرنا آسان فرمادیجئے۔''

دُعا کرنے کے بعد مجھے نیند آگئی۔ میں لیٹا اور سوگیا۔خواب میں دیکھا کہ نہایت گرم تپتی ہوئی جگہ کھڑا ہوں۔ یکا یک آسمان سے ایک خیمہ اترا اور اس نے مجھے ڈھانپ لیا۔ مجھے ایک عجیب ٹھنڈک اور آسودگی کا احساس ہوا۔ اتنے میں میری آنکھ کھل گئی۔ میں بہت خوش تھا۔

صبح سویرے ہی تعبیر کرنے والے ایک عالم کی خدمت میں حاضر ہوا اور خواب بیان کیا۔ انہوں نے پوچھا: کیا تم شادی شدہ ہو؟ میں نے کہا: نہیں۔ انہوں نے وجہ دریافت کی تو میں نے اپنی حالت زار کا ذکر کیا۔

عالم نے کہا تم نے رات گڑگڑا کر دُعا کی ہے؟ میں نے کہا: ضرور کی ہے۔ کہنے لگے: تو جاؤ اور خاندان بھر کی سب سے زیادہ خوبیوں والی لڑکی کا رشتہ طلب کرو۔ جاؤ! دروازہ

کھلا ہے۔

خاندان بھر میں جس لڑکی کے بارے میں لوگوں کی سب سے اچھی رائے تھی، میں نے اس کے متعلق سوچا اور والد سے کہا کہ اس کے ہاں جایئے اور میرے لیے اس کا رشتہ طلب کیجئے۔ اب کے والد نے مجھے پہلے سے زیادہ ڈانٹا اور سختی سے انکار کر دیا۔ تب میں نے خود اس لڑکی کے والد کے پاس جانے کا ارادہ کرلیا۔ میں ان کے گھر پہنچا۔ جب اسکے والد سے ملاقات ہوئی تو سلام دُعا کے بعد میں نے دل تھام کر کے اپنا مدعا بیان کیا۔ انہوں نے بجائے ناراض ہونے کے خوشی کا اظہار کیا اور کہا: تم قرآن کے حافظ و قاری ہو۔ ہمیں اپنی بیٹی کے لیے تم سے اچھا شوہر نہیں ملے گا۔ لیکن لڑکی کی رضامندی بھی تو ضروری ہے۔ وہ لڑکی کے پاس گئے، میرا ذکر کیا اور کہا کہ بیٹی! یہ درست ہے کہ وہ نابینا ہے لیکن یہ بھی تو دیکھو کہ وہ قرآن کا حافظ و قاری ہے۔ پھر بھی میں تمہاری مرضی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا۔ اگر تم چاہو تو رب تعالیٰ کے بھروسے پر بات آگے بڑھاؤں۔

لڑکی نے سعادت مندی سے بس اتنا کہا کہ ابا جان! جیسے آپ کی خوشی۔

یوں بات طے ہو گئی اور ہفتے بھر میں وہ نیک سیرت لڑکی میری اہلیہ بن کر ہمارے گھر کی رونق بن گئی۔ (جاری ہے)

عربی ناول

ایک فلسطینی بچے کی رودادِ الم 10

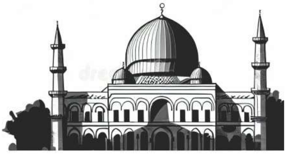

ہماری والدہ نے مکمل طور پر کرفیو لگا دیا 2

عربی کا ایک ایسا ناول جس کو پڑھتے ہوئے آنکھوں سے آنسو بھی رواں ہو جاتے ہیں اور دلوں میں کچھ کرنے کے عزائم بھی انگڑائی لینے لگتے ہیں...... قدم قدم پر خوف اور امید ایک ساتھ چلتے ہیں......

بلند حوصلہ فلسطینی اور خون خوار اسرائیلی ہر موڑ پر آمنے سامنے ہوتے ہیں......

تاریخی سچائیوں کے پس منظر میں لکھی جانے والی ایک فلسطینی بچے کی کہانی...... جو آپ کو غزہ، الخلیل اور مغربی کنارے سمیت تمام علاقوں کی سیر کرواتے ہوئے قبلۂ اول مسجد اقصیٰ شریف میں لا کر کھڑا کر دے گی۔

''حرکۃ المقاومۃ الاسلامیۃ'' کے عظیم راہنما یحییٰ السنوار کے قلم سے نکلی ہوئی تجسس بھری یہ داستانِ خونچکاں ہوش رُبا بھی اور چشم کشا بھی...... ''الشوک والقرنفل'' کے نام سے انہوں نے یہ کہانی اسرائیل کے جیلوں میں بیٹھ کر قید و بند کی تکالیف سہتے ہوئے لکھی تھی......

میرے بھائی محمود کے میٹرک کے امتحانات سے چند ہفتے قبل گھر میں ہنگامی حالت کا اعلان کیا گیا تھا، جب بھی ہم میں سے کوئی اپنی آواز بلند کرتا، میری ماں چلا کر کہتی کہ شور نہ مچاؤ اور اپنے بھائی محمود کے لیے سکون فراہم کرو، کیونکہ چند دنوں بعد اس کا میٹرک کا امتحان ہے، اگر ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتا، تو میری ماں چیختی، اگر ہم میں سے کسی کی کوئی چیز گر جاتی، اگر ہم میں سے کوئی دوسرے کو دھکا دیتا یا چھیڑتا، جیسے کہ ہماری عادت تھی جب ہم رات کو کپڑے دھونے کی طشت کے ارد گرد بیٹھ کر پڑھتے تھے، تو اسے اپنی حصے کی چپت یا کان مروڑنے کی سزا ملتی، ہم سب کو محمود کی پڑھائی کے لیے سکون فراہم پڑتا تھا اور اگر ہم میں سے کوئی دوسرے کو پھنسانا چاہتا کہ ماں سے مار کھائے، تو وہ چپکے چپکے اسے مضحکہ خیز چہرے بناتا اور اکثر میری بہن اس میں پھنس جاتی کیونکہ وہ ہنسے بغیر نہیں رہ سکتی تھی، وہ اپنی ہنسی کو روکتی جتنی ممکن ہوتی، لیکن جب ہم ان مضحکہ خیز حرکات کو جاری رکھتے تو وہ پھوٹ کر ہنس پڑتی اور ماں سے کئی چپتیں کھاتی، وہ عام طور پر وجوہات کی گہرائی میں نہیں جاتی تھی اور اصل ذمہ دار کو نہیں پکڑتی تھی۔

ہم نے اپنے سالانہ امتحانات مکمل کر لیے، لیکن محمود پڑھتا رہا کیونکہ میٹرک کے امتحانات ہمارے امتحانات کے تقریباً ایک ماہ بعد ہوتے تھے اور ہمارے امتحانات ختم ہونے کے باوجود ہنگامی حالت برقرار رہی، ہم محمود کے امتحانات کے ختم ہونے کا انتظار کرنے لگے، جیسے ہم قبضے کے خاتمے کا انتظار کر رہے ہوں، میٹرک کے امتحانات کے آخری دن جب محمود اسکول سے واپس آیا، تو ہم نے اس کا استقبال ایک زبردست پارٹی سے کیا، جو ایک بھائی کو اسکی واپسی پر دی جا سکتی ہے، ہم نے اپنے دل کی بھڑاس نکالی جو تقریباً دو ماہ تک ہم نے

دبائے رکھی تھی، گھر شور اور چیخوں سے بھر گیا، ہم سب لڑکے اور لڑکیاں محمود پر ٹوٹ پڑے، اسے مارنے، لاتیں مارنے اور چٹکی کاٹنے لگے، میری ماں ہمیں دیکھ رہی تھی، کوشش کر رہی تھی کہ سنجیدہ رہیں اور چلا رہی تھی کہ اپنے بھائی کو چھوڑ دو، لیکن وہ اپنے چہرے پر مسکراہٹ چھپانے میں ناکام رہی، جب ہم نے محمود کو چھوڑا تو ہم سب، محمود سمیت، ماں پر ٹوٹ پڑے، اس کے سر، ہاتھ اور پاؤں چومنے لگے، جبکہ وہ غیر سنجیدگی سے ہم سے بچنے کی کوشش کر رہی تھی اور اپنی ہنسی کو روکنے میں ناکام رہی۔

ہمارے نتائج کا اعلان ہوا اور ہم سب پاس ہو گئے، سوائے میرے چچا زاد حسن کے، جو دسویں جماعت میں ناکام ہو گیا، ہمیں اب محمود کے میٹرک کے نتائج کا انتظار کرنا تھا، نتائج کے اعلان کے دن، ہنگامی حالت کا دوبارہ اعلان کیا گیا، ایک اور شدید ہنگامی صورتحال اس دن تک جاری رہی جب تک محمود واپس نہ آیا، اس کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا، دروازہ کھولتے ہی اس نے پہلی بات کہی: (امی 92) میری ماں کے گال پر ایک تیز آنسو بہہ گیا اور پھر اس کی خوشی کی آواز نکل گئی، ہم نے دوبارہ پر جوش جشن منایا کیونکہ محمود کی کامیابی ہم سب کی کامیابی تھی، جس میں ہم سب نے اپنا حصہ ڈالا تھا، میری ماں کچن میں گئی، حلبہ ابالنے لگی، اور اس کے پانی کے ساتھ آٹا اور چینی ملا کر حلبہ کی مٹھائی تیار کرنے لگی تاکہ محمود اسے محلے کی بھٹی میں لے جا کر پکوا سکے، جب وہ واپس آیا، تو ہم نے انتظار نہیں کیا کہ ماں اسے باورچی خانے سے لائے ہوئے برتنوں میں ڈالے، ہم نے ہر طرف سے اسے لقمہ لقمہ کیا، وہ اپنے ہاتھ سے اشارہ کر رہی تھی جیسے کہ کسی کو مارنے والی ہو، مگر کسی کو نہیں مارا، پھر بھی وہ کئی پلیٹیں اٹھانے میں کامیاب ہو گئی اور جو ملنے اور مبارکباد دینے آتے، ان کو پیش کرتی۔

میرے دادا شدید بیمار ہو گئے تھے اور ایسا لگ رہا تھا کہ وہ ہمیں چھوڑنے والے ہیں وہ کم ہی اپنے کمرے سے باہر نکلتے تھے، جمعہ کے علاوہ مسجد نہیں جاتے تھے، اور محلے کے معروف میدان میں روزانہ ہونے والے اجلاس میں حصہ نہیں لیتے تھے، حسن کے فیل ہونے سے ان کی فکر اور بیماری میں اضافہ ہوا اور وہ ہماری تقریبات میں شامل ہونے کی خواہش نہیں رکھتے تھے، پھر بھی ہم سب ان کے پاس جمع ہوئے اور پہلی رات ان کے ساتھ گزارنے کی کوشش کی، انہیں ہنسانے اور ان کا دل بہلانے کی کوشش کی، محمود کو اپنی ثانوی تعلیم مکمل کرنے کے بعد پورے سال کی چھٹی کا انتظار کرنا تھا تاکہ وہ مصری یونیورسٹیوں میں داخلہ لے سکے، یہ وقت اس کے لیے پیسے جمع کرنے کا بہترین موقع تھا جو اس کے مصر جانے پر کام آئیں گے، ۱۹۴۸ء میں مقبوضہ زمین میں کام کرنے کا خیال بالکل مسترد کر دیا گیا تھا، اس لیے اسے اپنے ماموں کے کارخانے میں کام جاری رکھنا تھا اور کوئی اضافی کام تلاش کرنا تھا تاکہ وہ یہاں وہاں سے کچھ پیسے جمع کر سکے، محمود اور میری ماں نے طویل غور و فکر کیا، اور آخر کار انہوں نے فیصلہ کیا کہ محمود ماموں کے کارخانے میں کام چھوڑ دے اور اس کی جگہ میرا بھائی محمد لے لے، تاکہ میرے بھائی حسن اور محمد دنوں ماموں کے کارخانے میں کام کریں اور محمود زیادہ سنجیدہ اور بہتر کمائی والے کام میں مصروف ہو جائے۔

انہوں نے ایسا کام شروع کرنے کا فیصلہ کیا جس میں زیادہ سرمایہ نہ لگے، محمود نے اپنے علاقے میں سبزیوں کا ایک سٹال لگانے کا فیصلہ کیا، جس میں صرف چند لیرات کی ضرورت تھی اور وہ تھوڑی سی کمائی کر سکتا تھا، لیکن وقت کے ساتھ ساتھ بچت کر کے معقول رقم جمع کر سکتا تھا، واقعی میری ماں صبح سویرے محمود کو بیدار کرتی اور کرفیو ختم ہونے کا اعلان ہوتے ہی وہ شہر کے ہول

سیل بازار کی طرف جاتا، جہاں وہ تین یا چار لیرات کے ساتھ دستیاب سبزیاں خریدتا، وہ اپنی ریڑھی پر سبزیاں سجاتا اور بیچنے لگتا، دوپہر کے وقت، جو سبزیاں بچ جاتیں، وہ گھر لے آتا اور والدہ ان کا استعمال گھر میں کرتی، ہر روز وہ اپنی کمائی میں سے بیس پیسے یا چوتھائی لیرہ بچا کر رکھتا، دن کے وقت کرفیو کا نفاذ بار بار ہوتا رہتا، لیکن چونکہ محلے والوں کو محمود کی سبزیوں کی ضرورت ہوتی تھی، کرفیو کے باوجود بھی اس کی کوئی سبزی خراب نہیں ہوتی تھی، وہ اپنی ریڑھی گھر لے آتا اور محلے کی گلیوں میں جا کر جو بھی سبزی درکار ہوتی، وہ پہنچا دیتا، قابض فوج کے سپاہی محلے میں داخل ہونے سے ڈرتے تھے کیونکہ وہاں مزاحمتی لوگوں کے حملوں کا خوف ہوتا تھا۔

مزاحمت اور فدائی کارروائیوں کی وجہ سے فوجی کمانڈروں کو احساس ہونے لگا کہ کیمپوں کی تنگ گلیوں میں کارروائی کرنا مشکل ہے، اسی لیے انہوں نے سوچا کہ کیمپوں کو چوڑی سڑکوں سے تقسیم کیا جائے تا کہ ان کا کنٹرول اور تلاشی آسان ہو سکے، ایک دن کرفیو نافذ ہوا اور بڑی تعداد میں فوجی جیسے نیا قبضہ کرنے آ گئے ہوں، کچھ فوجیوں کے پاس لال رنگ کے پینٹ کی بالٹیاں اور برش تھے وہ کچھ گھروں کی دیواروں پر بڑے لال کراس کے نشان بناتے، کچھ دیواروں پر عمودی لکیریں کھینچتے اور پھر کچھ گھروں پر چھوٹے کراس کے نشان بناتے، ہر نشان کے بعد متعلقہ گھر کے مالک کو نوٹس دیا جاتا کہ جن گھروں پر بڑے کراس ہیں، انہیں مکمل طور پر گرا دیا جائے گا، جن گھروں پر عمودی لکیریں اور چھوٹے کراس ہیں، ان کے کچھ حصے گرائے جائیں گے، ہر نوٹس کے بعد چیخ و پکار اور گالیاں شروع ہو جاتیں، یہ لوگ اپنے بچوں، بیٹیوں اور بیویوں کو لے کر کہاں جائیں گے؟ وہ دوبارہ سڑک پر آ جائیں گے۔

خوش قسمتی سے ہمارے گھر پر کوئی نشان نہیں لگا، اس لیے ہمارا گھر بچ گیا، اب ہمارا گھر

تنگ گلی کے بجائے چوڑی سڑک پر ہوگا، ہمارے پڑوسی کا گھر مکمل طور پر گرایا جائے گا، یہ خاص طور پر میرے بھائی محمود کے لیے خوش قسمتی تھی، کیونکہ اگر ہمارا گھر یا اس کا کوئی حصہ منہدم ہو جاتا تو مصر میں تعلیم کے لیے محمود کی ساری جمع پونجی صورتحال کو بہتر بنانے کے لیے کافی نہ ہوتی اور اس کے لیے ممکن نہ ہوتا کہ وہ غزہ چھوڑ کر ہمیں سڑک پر چھوڑ دے، لیکن اللہ اسے اور میری غریب ماں کو پسند کرتا ہے جیسا کہ میں نے ان دونوں کو بات کرتے ہوئے سنا، چند دن بعد بلڈوزر اور بڑی فوج آئی اور انہوں نے اعلان کیا کہ ان گھروں کو خالی کر دیا جائے جو منہدم کیے جائیں گے، بلڈوزر نے گھروں کو اس طرح پیسا جیسے کوئی دیو اپنے شکار کی ہڈیاں پیستا ہے، اور اس سے سینکڑوں مردوں، عورتوں اور بچوں کے دل ٹوٹ گئے جو ایک بار پھر خود کو سڑک پر بے یار و مددگار پاتے تھے۔

بلڈوزر کیمپ میں آتا جاتا اور ہر بار کسی نہ کسی مرد کا دل ٹوٹ جاتا یا کوئی عورت غم کے مارے گر جاتی، یا کسی مرد کو فوجیوں نے بُری طرح مارا پیٹا جب اس نے اپنے جسم کو بلڈوزر کے سامنے رکھ کر اسے اپنے بچوں اور بیٹیوں کو پناہ دینے والی چھت کو منہدم کرنے سے روکنے کی کوشش کی، شام تک سینکڑوں المیے دوبارہ کھل گئے تھے اور لوگوں کو اپنے زخموں کو بھرنا تھا، میرے چچا کا گھر شادی کے بعد سے خالی تھا کیونکہ میرے چچا کے بیٹے حسن اور ابراہیم میرے دادا کے ساتھ ایک ہی کمرے میں رہتے تھے، لہٰذا میری ماں نے ہمارے دو پڑوسی خاندانوں کو عارضی طور پر وہاں رہنے کی اجازت دی جب تک کہ وہ اپنے معاملات کو ٹھیک نہ کر لیں اور شکر گزاری اور تعریف کے الفاظ کی کوئی کمی نہ رہی جو ہمیں موصول ہوئے، اگلے دن ریڈ کراس کے نمائندے آئے تا کہ حالات کا جائزہ لیں اور حقائق کو ریکارڈ کریں، اس کے اگلے دن UNRWA کے ہاؤسنگ

سیکشن کے اہلکار آئے، انہوں نے معلومات جمع کیں اور لوگوں کو بتایا کہ انہیں نئے گھروں میں آباد کیا جائے گا جو ایجنسی دوسرے علاقوں میں بنا رہی ہے، یہ خبر لوگوں کے لیے عظیم خوشخبری تھی، لوگوں نے بہت سے سوالات پوچھنے شروع کر دیئے کہ کب ہم رہائش پذیر ہوں گے؟ کہاں؟ کیسے؟ وغیرہ اور ملازمین کے پاس واضح جوابات نہیں تھے، لیکن پہلے مہینے کے دوران ہی خاندانوں نے اپنے نئے گھروں میں منتقل ہونا شروع کر دیا جو غزہ کے علاقے میں یا العریش شہر میں تعمیر کیے گئے تھے، جہاں اسرائیل نے 1967 میں پورے سینا پر قبضہ کر لیا تھا، اس دوران وہ دونوں خاندان بھی چلے گئے جو میرے چچا کے گھر میں رہ رہے تھے اور ہر خاندان کو ایک نیا گھر ملا، 1948 میں مقبوضہ علاقوں میں کام کے مواقع نے لوگوں میں بڑی ہلچل مچا دی، لیکن اپنے بچوں کی بھوک مٹانے اور ان کی عزت کی حفاظت کے لیے معقول گھروں میں رہائش کی اشد ضرورت نے لوگوں کو ان علاقوں میں کام کرنے پر مجبور کر دیا۔

تعلیم، دوا اور مہنگائی کی ضروریات اس کام کی مخالفت کرنے والے تمام اعتراضات سے زیادہ مضبوط تھیں، لہٰذا زندگی کی روانی نے زندگی کو جاری رکھنے اور اس کی سطح کو بہتر بنانے کی خواہش کو زندہ کر دیا اور والدین کی کوشش کہ اپنے بچوں کی زندگی اور مستقبل کو یقینی بنائیں، اس روانی کو تدریجاً بڑھنے دیا یہاں تک کہ یہ ایک معمول بن گیا اور فدائیوں کے لیے اسے روکنا یا بند کرنا ممکن نہ تھا۔

سڑکوں کی کھدائی اور اندر کام کے مواقعوں کے کھلنے کے بعد، اور قابضین کی انٹیلی جنس اور فوج کی جانب سے مزاحمت پر جاری جنگ کے باوجود، یہ واضح ہو گیا کہ وہ کچھ ریلیف محسوس کرنے لگے ہیں، صبح کے وقت کرفیو ہٹانا عام ہو گیا تا کہ مزدور جلدی نکل کر اپنے کام پر وقت پر

پہنچ سکیں۔ جو کہ مغربی کنارے اور غزہ سے حیفا، یافا وغیرہ میں کئی گھنٹوں کے سفر کے بعد ممکن ہوتا تھا، یہ بھی واضح ہوگیا کہ جن خاندانوں کے سربراہ اندرون ملک کام کرتے تھے ان کی زندگی کا معیار بتدریج بہتر ہونے لگا، اور کچھ ہی عرصے میں یہ آدمی اپنی گھر کی چھت کو ٹائلوں سے بدل کر لوہے کی چادروں سے ڈھانپنے لگے، دوسرے آدمی اپنی دیوار کو اونچا کرنے لگے، کسی نے اپنے گھر کے لیے مضبوط دروازہ لگایا، کسی نے سیمنٹ کا تھیلا اور سمندر کی کھردری ریت خریدی اور ایک مزدور کو بلا کر اپنے گھر کی زمین کو پختہ کرایا، اس طرح ہمارے اردگرد کے مکانات دوبارہ ترقی کرنے لگے اور ان کا معیار بلند ہونے لگا، جب کہ ہمارا گھر ویسے ہی رہا، جنگ سے پہلے یہ محلے کے بہترین گھروں میں سے ایک تھا، مگر اب اس کی حالت دوسرے گھروں کی ترقی کے مقابلے میں پیچھے رہ گئی تھی۔

وہ پڑوسی جن کے پاس گھر کی تعمیر میں بڑے پیمانے پر تبدیلیاں کرنے کے وسائل نہیں تھے، انہوں نے بڑے بڑے پلاسٹک کی چادریں خرید کر انہیں چھت پر بچھا دیا، پھر ان کے کناروں کو موڑ کر لکڑی کے ٹکڑوں سے کیلوں کے ذریعے باندھ دیا، ہر کیل پلاسٹک کی چادر کے دونوں اطراف میں باندھا گیا تاکہ وہ اپنی جگہ سے نہ ہٹے، اس طرح کی چادریں پلاسٹک پر وزن ڈال کر اسے حرکت سے روک دیتی ہیں اور گرنے سے بچاتی ہیں، اس منصوبے کی لاگت زیادہ نہیں تھی اور یہ بارش کے پانی کے کمرے میں رسنے اور بستر پر گرنے کے مسئلے کا مناسب حل تھا، جس کی وجہ سے ہمیں سونے کے دوران اپنے بستروں کے درمیان برتن رکھنے پڑتے تھے تاکہ قطرے ان میں جمع ہوسکیں، جب میری ماں نے اس مسئلے پر میرے بھائی محمود سے مشورہ کیا اور

اس کی لاگت معلوم کی، تو انہوں نے چھت پر پلاسٹک ڈالنے کا فیصلہ کیا، محمود نے پلاسٹک، لکڑی کے ٹکڑے اور کیلیں خریدیں، اور ایک پڑوسی سے ہتھوڑا اور سیڑھی اُدھار لی، میرے دونوں بھائی حسن اور محمد نے اس کام میں مدد کی، چھت پر پلاسٹک ڈالنا ہماری زندگی میں ایک حیران کن تبدیلی تھی، خاص طور پر سردیوں میں، ہم پانی کے رسنے اور برتنوں میں گرنے والی بوندوں کی آواز سے نجات پا گئے اور ہماری نیند پرسکون ہوگئی۔

جب میں تیسری جماعت میں پہنچا تو عموماً ہوتا یہ تھا کہ یہ ایجنسی کے کلینک کا ڈاکٹر کبھی کبھار اسکول کا دورہ کرتا اور کلاسوں کا جائزہ لیتا، طالب علموں کی صحت کا معائنہ کرتا اور جسے واضح طور پر غذائی قلت اور جسمانی کمزوری نظر آتی، اس کا نام نوٹ کر لیتا، چند دنوں بعد ان طالب علموں کو ''کرونا'' کے طور پر ایک کارڈ دیا جاتا جو انہیں پناہ گزینوں کے کیمپ میں موجود ایجنسی کے مرکز صحت میں ایک بار کھانے کی اجازت دیتا، اس بار ڈاکٹر آیا اور اسکول کا دورہ کیا، جب وہ ہماری کلاس میں داخل ہوا تو اس نے میرا نام پوچھا اور نوٹ کر لیا، مجھے معلوم ہوا کہ چند دنوں میں مجھے کھانے کا کارڈ ملے گا، جب میں نے وہ کارڈ حاصل کیا تو میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا، ایسا لگا جیسے میرا سر چھت سے جا لگا، میں کارڈ لے کر گھر واپس آیا اور اپنے بہن بھائیوں کو خوشخبری دی، فاطمہ کو بہت غصہ آیا اور وہ مجھ سے کارڈ چھیننے کی کوشش کرنے لگی اور چیخنے لگی کہ ہم غریب نہیں ہیں، میں نے مدد کے لیے اپنی ماں کو پکارا، جنہوں نے فاطمہ کو بلایا اور اسے سمجھایا کہ کارڈ لینے میں کوئی عیب نہیں ہے، ہم پناہ گزین ہیں اور یہ فطری بات ہے کہ بچوں میں سے کسی کو کھانے کا کارڈ مل جائے، ہم ویسے بھی ایجنسی کے سہارے زندگی گزار رہے ہیں، گھر

ایجنسی کا ہے، اسکول ایجنسی کے ہیں، صحت کی سہولتیں ایجنسی فراہم کرتی ہے، جب لوگوں کے گھر تباہ ہوگئے تو انہیں دوبارہ کس نے آباد کیا؟ ایجنسی نے، اس پر فاطمہ مجبوراً خاموش ہوگئی، مگر یہ بات اس کی مرضی کے خلاف اور بغیر قائل ہوئے ہوئی۔

ہر روز کلاسوں کے دوران یا ان کے ختم ہونے کے بعد، سینکڑوں بچے اور بچیاں کھانے کے مرکز کی طرف دوڑتے، ہم ایک لمبی قطار میں کھڑے ہوتے اور اندر جانے کے لیے دھکم پیل، مداخلت اور لڑائی جھگڑے کرتے، کھانے کے مرکز کے اندر جاتے تو وہاں خاموش رہنا پڑتا کیونکہ کھانے کے مرکز کا انچارج میز کے پیچھے بیٹھا ہوتا، وہ ہر ایک سے اس کا کارڈ لیتا، اس پر آج کی تاریخ درج کرتا، اسے واپس کرتا اور ایک چھوٹی روٹی دیتا، پھر ایک اور کارکن ہمیں ایک پلیٹ دیتا جس میں مختلف قسم کے کھانے ہوتے، تین یا چار اقسام جن میں پھل یا مہلبیہ بھی شامل ہوتی، ہم وہ کھانا لے کر ہال میں جاتے جہاں میزیں اور کرسیوں پر بیٹھ کر وہ لذیذ کھانا کھاتے، پھر پلیٹ لے کر اسے کچن کی کھڑکی سے پھینک دیتے تاکہ وہ اسے دھو سکیں اور ہم باہر نکل جاتے، باہر کے دروازے پر ایک کارکن یا کارکنہ کھڑے ہو کر یہ دیکھتے کہ کہیں ہم کھانا چھپا کر تو نہیں لے جا رہے، کیونکہ وہ کھانا ہمارے لیے صحت کی بنیاد پر مخصوص ہوتا تھا، اگر کسی کو پکڑ لیا جاتا تو اس سے کھانا لے کر کچرے کے ڈبے میں ڈال دیا جاتا تاکہ وہ سیکھ سکے کہ اپنا کھانا اندر ہی کھانا ہے۔ (جاری ہے......)

اَنس الشریف کو بتایا بھی تھا!

انتخاب
بنت عبید

پاکستان کے ایوانِ بالا (سینیٹ) میں غزہ پر اسرائیلی حملے اور قتل و غارت گری پر بحث کا آغاز ہوا تو زوردار تقریروں کے "سپیل ویز" کھل گئے۔ آتشیں لفظوں کی پھلجھڑیاں چھوٹنے لگیں۔ یوں لگا جیسے ایوان کا اجلاس ختم ہوتے ہی ہر گوشۂ ارض سے ایسا فلک شگاف نعرۂ حق بلند ہوگا کہ اسرائیل کے در و بام لرز جائیں گے اور ستاون مسلم ممالک سے اُٹھنے والی للکار سے یہ ناسور جڑوں سے اکھڑ کر مکمل طور پر معدوم ہو جائے گا۔

میری باری آئی تو میں تقریر کا فن بھول گیا۔ بھرائی ہوئی آواز میں ایک نوحہ پڑھ دیا۔ یہ نوحہ آج بھی یوٹیوب پر پڑا ہے۔

میرے غزہ کے نہتے باسیو! میرے غزہ کے پھول جیسے بچّو!

اپنے سامنے اپنے بچّوں کو موت کی آغوش میں جاتے دیکھتی ماؤ! میری بہنو! میری بیٹیو! میرے بزرگو! میرے بیٹو! ہم پاکستان کے پچیس کروڑ لوگ سب کچھ دیکھ رہے ہیں۔ دیکھ رہے ہیں کہ تمہارے گھر کھنڈر ہو رہے ہیں، دیکھ رہے ہیں کہ تمہاری بستیاں ملبے تلے دبا قبرستان بن رہی ہیں، دیکھ رہے ہیں کہ تمہارے ہسپتال، تمہارے سکول، تمہاری مسجدیں! تمہارے کیمپ، سب ظالمانہ بمباری کا نشانہ بن رہے ہیں۔ دیکھ رہے ہیں کہ تم بھوک اور پیاس سے بلک رہے ہو، دیکھ رہے ہیں کہ تمہارے لیے کوئی پناہ گاہ نہیں بچی، دیکھ رہے ہیں کہ بچے کس طرح ماں باپ کی لاشوں سے چمٹے رو رہے ہیں۔ ہم یہ سب کچھ دیکھ رہے ہیں۔ ہم تمہارے دُکھ درد میں شریک ہیں لیکن میرے پھول جیسے بچو! میری ماؤ! میری بیٹیو! ہم تم سے بھی زیادہ مجبور اور بے بس ہیں۔ ہم اُن طاقتوں کا نام بھی نہیں لے سکتے جو اس ظلم میں شریک ہیں۔ ہمیں بھی زندہ رہنے کو روٹی چاہیے۔ ہمیں معاف کر دو۔ آج نیل کے ساحل سے کاشغر کی خاک تک دو ارب مسلمان نہیں، راکھ کا ایک ڈھیر ہے۔ ہم بھی اس ڈھیر کا حصہ ہیں۔ ہم تمہاری مدد نہیں کر سکتے، ہمیں معاف کر دو۔ بس اتنی التجا ہے کہ روزِ محشر اللہ کے حضور ہماری شکایت نہ کرنا اور اگر کرو بھی تو میرے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نظروں سے بچا کر کرنا۔ ہم کس طرح نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا سامنا کریں گے۔ اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔

اور اب، الجزیرہ کے رپورٹر اَنس الشریف شہید کی آخری ٹویٹ سامنے آئی ہے جو متعدد دوسرے صحافیوں کی طرح اسرائیلی درندگی کا نشانہ بنے۔ ایک بیٹی اور ایک بیٹے کے والد نے دو سال قبل اسرائیلی بمباری کا نشانہ بننے والے والد کو سپردِ خاک کیا تھا۔ اَنس نے اپنی

شہادت کی خوشبو محسوس کرتے ہوئے لکھا: "یہ میری وصیت اور میرا آخری پیغام ہے۔ اگر یہ الفاظ آپ تک پہنچیں تو جان لیجیے کہ اسرائیل مجھے قتل کرنے اور میری آواز کو خاموش کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ سب سے پہلے، آپ پر اللہ کا سلام، اس کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں۔ اللہ جانتا ہے کہ میں نے اپنی پوری کوشش اور اپنی ساری طاقت اپنے لوگوں کا سہارا اور آواز بننے میں لگا دی، جب سے میں نے جبالیا پناہ گزین کیمپ کی گلیوں اور کوچوں میں آنکھ کھولی۔ میری امید تھی کہ اللہ میری عمر دراز کرے تا کہ میں اپنے اہلِ خانہ اور عزیزوں کے ساتھ اپنے اصل شہر، مقبوضہ عسقلان (المجدل)، واپس جا سکوں۔ مگر اللہ کی مرضی مقدم رہی، اور اس کا فیصلہ حتمی ہے۔ میں نے دکھ کو اس کی ہر صورت میں جیا، کئی بار مصیبت اور نقصان کا ذائقہ چکھا، پھر بھی کبھی اس بات میں ہچکچاہٹ نہ کی کہ سچائی کو جوں کا توں پہنچاؤں بغیر کسی تحریف یا مسخ کرنے کے تا کہ اللہ ان پر گواہ ہو جو خاموش رہے، جو ہمارے قتل کو قبول کرتے رہے، جنہوں نے ہماری سانسیں گھونٹ دیں، اور جن کے دل ہمارے بچوں اور خواتین کے بکھرے جسمانی ٹکڑوں کو دیکھ کر بھی نہ پسیجے، اور جنہوں نے اس قتلِ عام کو روکنے کے لیے کچھ نہ کیا جو ہمارے لوگ ایک سال سے زیادہ عرصے سے جھیل رہے ہیں۔

میں آپ کو فلسطین کے سپرد کرتا ہوں جو مسلم دنیا کا تاج ہے، اور دنیا کے ہر آزاد انسان کی دھڑکن ہے۔ میں آپ کو اس کے لوگوں کے سپرد کرتا ہوں، اس کے مظلوم اور معصوم بچوں کے سپرد، جنہیں کبھی خواب دیکھنے یا امن وسکون میں جینے کا موقع نہ ملا۔ جن کے پاکیزہ جسم ہزاروں ٹن اسرائیلی بموں اور میزائلوں کے نیچے کچلے گئے، ٹکڑے ٹکڑے کر دیے گئے اور

دیواروں پر بکھر گئے۔

میں آپ سے کہتا ہوں کہ زنجیریں آپ کو خاموش نہ کریں، نہ ہی سرحدیں آپ کو روکیں۔زمین اور اس کے لوگوں کی آزادی تک آپ پُل بنیں، یہاں تک کہ عزت و آزادی کا سورج ہمارے چرائے گئے وطن پر طلوع ہو۔میں آپ کو اپنے اہلِ خانہ کے سپرد کرتا ہوں۔ میں آپ کو اپنی بیٹی "شام" کے سپرد کرتا ہوں، جو میری آنکھوں کا نور رہے، جس کو اس طرح بڑا ہوتا دیکھنے کا موقع مجھے نہ ملا جیسا میں نے خواب دیکھا تھا۔

میں آپ کو اپنے پیارے بیٹے "صلاح" کے سپرد کرتا ہوں، جس کی زندگی میں ساتھ دینے اور اسے سہارا دینے کی تمنا تھی، یہاں تک کہ وہ اتنا مضبوط ہو جاتا کہ میرا بوجھ اٹھا سکے اور مشن کو آگے بڑھا سکے۔

میں آپ کو اپنی عزیز ماں کے سپرد کرتا ہوں، جن کی بابرکت دعاؤں نے مجھے یہاں تک پہنچایا، جن کی دعائیں میرا قلعہ تھیں اور جن کا نور میری رہنمائی کرتا رہا۔میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ انہیں طاقت عطا کرے اور میری طرف سے بہترین اجر دے۔

میں آپ کو اپنی زندگی کی ساتھی، اپنی پیاری بیوی "امِ صلاح (بیان)" کے سپرد کرتا ہوں، جن سے جنگ نے مجھے طویل دنوں اور مہینوں کے لیے جدا کر دیا، مگر وہ ہمارے رشتے پر قائم رہیں، زیتون کے درخت کے تنے کی طرح مضبوط رہیں، صابر، اللہ پر بھروسہ کرنے والی، اور میری غیر موجودگی میں سارا بوجھ اپنی پوری طاقت اور ایمان کے ساتھ اٹھانے والی۔

میں آپ سب سے کہتا ہوں کہ ان کا ساتھ دیں' ان کا سہارا بنیں' اللہ تعالیٰ کے بعد۔ اگر میں مروں تو اپنے اصولوں پر ڈٹے ہوئے مروں۔ میں اللہ کے سامنے گواہی دیتا ہوں کہ میں اس کے فیصلے پر راضی ہوں' اس سے ملاقات کا یقین رکھتا ہوں' اور اس پر مطمئن ہوں کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہتر اور دائمی ہے۔

اے اللہ! مجھے شہدا میں شامل فرما' میرے اگلے پچھلے گناہ معاف فرما' اور میرے خون کو میری قوم اور میرے اہلِ خانہ کے لیے آزادی کی راہ کو روشن کرنے والا بنا۔ اگر میں نے کمی کی ہو تو مجھے معاف کر دینا' اور میرے لیے رحمت کی دعا کرنا' کیونکہ میں نے اپنا وعدہ نبھایا اور کبھی بدلا یا غداری نہیں کی۔ غزہ کو مت بھولنا...... اور مجھے بھی اپنی مخلص دعاؤں میں بخشش اور قبولیت کے لیے یاد رکھنا۔

اَنس جمال الشریف......06-04-2025''

یہ ہے وہ پیغام جو ہمارے پیارے اَنس نے اپنی شہادت پر شائع کرنے کی وصیت کی تھی۔

میں نے تو اپنی بے بسی و بے چارگی بہت پہلے بتا دی تھی۔ دعا ہی کر سکتا ہوں کہ اللہ اَنس کو درجاتِ بلند سے نوازے۔ اس کی بوڑھی والدہ' اس کی اہلیہ' اس کی بیٹی' شام' اور اس کے بیٹے' صلاح' کو صبر و استقامت عطا کرے۔

غزہ کا عقوبت خانہ

بنت مریم

ساڑھے تین سو مربع کلومیٹر کے چھوٹے سے حصار میں بند، اکیس لاکھ انسانوں کی بستی، معلوم انسانی تاریخ کے سب سے ہیبت ناک عقوبت خانے کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ بھوک سے نڈھال ماؤں کی گود میں بلکتے ہڈیوں کے معصوم ڈھانچے، دودھ کی بوند بوند کو ترستے بچے، تقسیمِ خوراک کے مراکز پر خالی برتن اٹھائے خستہ حال انسانوں کے ہجوم، ادویات سے محروم، موت کی آغوش میں جاتے مریض، ایک ایک قطرۂ آب کو ترستی خلق خدا اور اندوہ ناک انسانی المیے سے لطف اندوز ہوتا اسرائیل...... یہ سب کچھ اکیسویں صدی کی اُس دنیا کی کھلی آنکھوں کے عین سامنے ہو رہا ہے جو صبح و شام تقدیسِ آدمیت کے ترانے گاتی اور بنیادی انسانی حقوق کے نغمے الاپتی ہے۔

دنیا کے دو سو کے لگ بھگ ممالک میں آباد آٹھ ارب سے زائد انسانوں کیلئے یہ سب کچھ معمول کا درجہ اختیار کر چکا ہے۔ اس لیے کہ بھوک، پیاس اور شدید غذائی قلت سے مرتے لوگ مسلمان ہیں۔ فلسطینی ہیں۔ سو اُن کے حقوق سلب ہو چکے ہیں۔ بھوک کے باعث ایک پالتو جانور مر جائے تو اُس کے مالک پر مقدمہ چلتا ہے، اُسے سزا ہوتی ہے۔

لیکن غزہ کے فلسطینی، بنی نوعِ انسان سے تعلق رکھتے ہیں نہ ہی اُنہیں جانوروں جیسے حقوق دیے جا سکتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اُن پر بم برسانے اور ترسیل خوراک کے راستے بند کرنے والے ملک کا نام اسرائیل ہے جسے فلسطینیوں کی زمین غصب کرنے، اُنہیں آگ اور بارود میں بھسم کرنے اور بھوک پیاس سے مارنے کا استحقاق حاصل ہے۔ جو نشانے لے لے کر عالمی راہنماؤں، سائنسدانوں اور مطلوب شخصیات کے سینے چھلنی کر سکتا ہے۔ جو اقوام متحدہ سمیت تمام عالمی اداروں کو جوتی کی نوک پر رکھتا ہے اور جو نہتے انسانوں کو اپنی پسند کے طریقوں سے قتل کرنے کا لائسنس لیے پھرتا ہے۔

غزہ کی تصویر کشی کرتے ہوئے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل نے کہا:

"Horror show with a level of death and destruction without parallel in recent times".

(موت اور تباہی و بربادی کا ایسا خوفناک منظر جس کی کوئی نظیر حالیہ دور میں نہیں ملتی)

آج تک کسی جنگ نے لالہ و گُل نہیں کھلائے۔ ازل سے جنگیں موت، تباہی و بربادی اور غارت گری کی علامتیں رہی ہیں۔ تیر و شمشیر کا عہدِ قدیم ہو یا نامیاتی اور کیمیائی ہتھیاروں کا

عہدِ جدید، ہر جنگ کا نتیجہ لاشوں اور مختلف النوع انسانی المیوں کی شکل میں نکلا۔ ایک زمانے میں حملہ آور لشکر خوراک اور ہر نوع کے سامانِ رسد کی ناکہ بندی کو مؤثر ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے تھے لیکن قلعے کے دروازے کھل جانے اور ترکِ مزاحمت کے بعد، دشمن کو بھی بھوک اور پیاس سے مارنے کی مثالیں شاید ہی ملیں۔

جنگی قیدیوں کے ساتھ بھی ایسا غیر انسانی سلوک روا نہیں رکھا گیا۔ اب تو اُن کی خوراک اور رہائش سے لے کر تمام انسانی ضروریات کے حوالے سے واضح حقوق کے عالمی عہد نامے مرتب ہو چکے ہیں۔ لیکن غزہ کے عقوبت خانے میں بند اکیس لاکھ فلسطینی اُن حقوق سے بھی محروم ہیں جو جنیوا کنونشن جنگی قیدیوں کو دیتا ہے۔

غزہ پر ٹوٹنے والی تازہ قیامت کو اب پونے دو سال ہو چلے ہیں۔ اکتوبر 2023ء سے شروع ہونے والی اسرائیلی یلغار کسی نہ کسی طور پر جاری ہے۔ غزہ تباہی و بربادی کا استعارہ بن چکا ہے۔ ٹینکوں، توپوں، جنگی طیاروں اور کسی وقفے کے بغیر میزائلوں کی بارش نے بھری پُری بستی کو کھنڈر میں بدل دیا ہے۔ نہ ہسپتال رہے، نہ تعلیمی ادارے، نہ عبادت گاہیں نہ بازار، نہ انفراسٹرکچر نہ انتظامی ڈھانچہ، نہ مکان نہ گزر گاہیں۔ سب کچھ پیوندِ زمین ہو گیا۔ بستیاں مٹ گئیں، قبرستان پھیل گئے۔ اب تک غزہ کے گورستانوں میں چھوٹی بڑی باسٹھ ہزار قبروں کا اضافہ ہو چکا ہے۔ ہزاروں ایسے بھی ہوں گے جن کے جسم کا کوئی حصہ نہ ملا کہ اُسے کفنایا اور دفنایا جا سکتا۔

پھر اسرائیل نے بچے کھچے لوگوں کو موت کے منہ میں دھکیلنے کیلئے ایسا سفاک اور انسانیت سوز طریقہ اختیار کیا جو انسانیت کی ہلکی سی رمق رکھنے والی کسی قوم کے دل و دماغ میں جگہ نہیں پا سکتا۔ اہلِ غزہ کو خوراک، پانی، ادویات اور اشیائے ضروریہ کی فراہمی بند کر دی

گئی۔ یہ سلسلہ 2 مارچ 2025ء سے شروع ہوا جو کسی نہ کسی شکل میں اب تک جاری رہے۔

اسرائیل کے عزائم کا ساتھ دیتے ہوئے سب سے بڑے پڑوسی مسلم ملک نے اس ناکہ بندی میں بھرپور تعاون کیا۔ جنگ زدہ اور تباہ حال غزہ کے بچے کھچے نیم جاں لوگوں میں اتنی بڑی قیامت برداشت کرنے کی سکت نہ تھی۔ سو رقصِ مرگ شروع ہوگیا۔ لوگ بھوک اور پیاس سے مرنے لگے۔ ناکافی غذا نے سب سے زیادہ بچوں اور اُن کی ماؤں کو متاثر کیا۔ دیکھتے دیکھتے وہ ہڈیوں کے ڈھانچے بن گئے۔

بے بس مائیں ان ڈھانچوں کو اپنے ناتواں بازوؤں میں سمیٹے تقسیمِ خوراک کے مراکز پر دھکے کھانے لگیں ان کم نصیبوں کو یہ بھی پتا نہ چلا کہ اُنہوں نے جس ڈھانچے کو سختی سے آغوش میں بھینچ رکھا ہے، وہ کب کا بھوک اور پیاس سے بے نیاز ہو چکا ہے۔

شدید عالمی دباؤ کے بعد، مئی میں اسرائیل نے ترسیل خوراک کی واحد زمینی راہداری کو، خون کی تنگ شریان کی حد تک کھولا۔ یہ جزوی عنایت، محض ڈرامہ ٹھہری۔ اکتوبر 2023ء سے قبل روزانہ پانچ چھ سو ٹرک، اکیس لاکھ شہریوں کو خوراک، پانی، ادویات، ایندھن وغیرہ فراہم کرتے تھے۔ کوئی دو ماہ تک اسرائیل نے یہ راہداری مکمل طور پر بند رکھی۔ مئی سے پانچ چھ سو ٹرکوں کے بجائے، صرف اٹھائیس ٹرکوں کو غزہ میں داخلے کی اجازت ہے۔

تصور کیا جا سکتا ہے کہ قلّتِ خوراک کا کیا عالم ہوگا۔ اس وقت بھی پاکستان سمیت دنیا کے مختلف ممالک سے آئے، خوراک سے لدے لگ بھگ سات سو ٹرک مصر غزہ راہداری پر قطار باندھے کھڑے ہیں۔ ان ٹرکوں کو داخلے کی اجازت ملے اور ترسیل خوراک کا سلسلہ کسی رکاوٹ کے بغیر شروع ہو جائے تو صورتِ حال سنبھل سکتی ہے لیکن اسرائیل کی ابلیسی سرشت

کو زندگی نہیں، موت کا رقص چاہیے۔ وہ خوراک کے مراکز پر دھکم پیل کرتے اور ذرا سی خوراک کیلئے لڑتے مرتے لوگوں پر بھی گولیاں برسا رہا ہے۔

اب تک ان مراکز پر 1050 افراد جاں بحق اور 6511 شدید زخمی ہو چکے ہیں۔ اُدھر معصوم بچوں اور خواتین سمیت کم از کم ایک سو تیس افراد بھوک، پیاس اور خوراک کی نایابی کے باعث زندگی ہار چکے ہیں۔ صرف ایک دن، 22 جولائی کو چار معصوم بچوں سمیت پندرہ افراد کے جنازے اٹھے۔ غزہ انتظامیہ کا کہنا ہے کہ اس وقت نو لاکھ بچے شدید غذائی قلت کا شکار ہیں جبکہ ستر ہزار بچے ایسے ہیں جو اب علاج کے قابل بھی نہیں رہے۔

دو دن قبل غزہ کے مقیّد مصیبت زدگان تک سمندر کے راستے مدد فراہم کرنے کی کوشش کرنے والی کشتی پر اسرائیلی ٹوٹ پڑے اور کشتی پر سوار تمام افراد کو حراست میں لے لیا۔ تازہ ترین اطلاعات یہ ہیں کہ بڑھتے ہوئے عالمی دباؤ اور خاص طور پر یورپی ممالک کی حکومتوں میں اُبھرتی نئی سوچ کے پیشِ نظر اسرائیل کو اپنی سفاکیت سے ہٹ کر ترسیل خوراک کی ناکہ بندی نرم کرنا پڑی ہے۔

اگر فاقہ زدہ عوام کو مطلوب خوراک سمیت مختلف النوع سامان کی ترسیل کا سلسلہ قبل از جنگ کے معمول کے مطابق شروع ہو جاتا ہے اور اسرائیل اس میں کوئی رخنہ نہیں ڈالتا تو بھی صورت حال کے سنبھلنے میں خاصا وقت لگے گا۔

ایسے میں، اُمت مسلمہ، کیا کر رہی ہے؟ دو ارب کے لگ بھگ مسلمان کیا حکمت عملی بنا رہے ہیں۔ ’اسلامی تعاون تنظیم‘ کہاں ہے؟ عرب لیگ کس گوشۂ عافیت میں حالتِ مراقبہ میں ہے؟ کم از کم مجھے کچھ علم نہیں۔

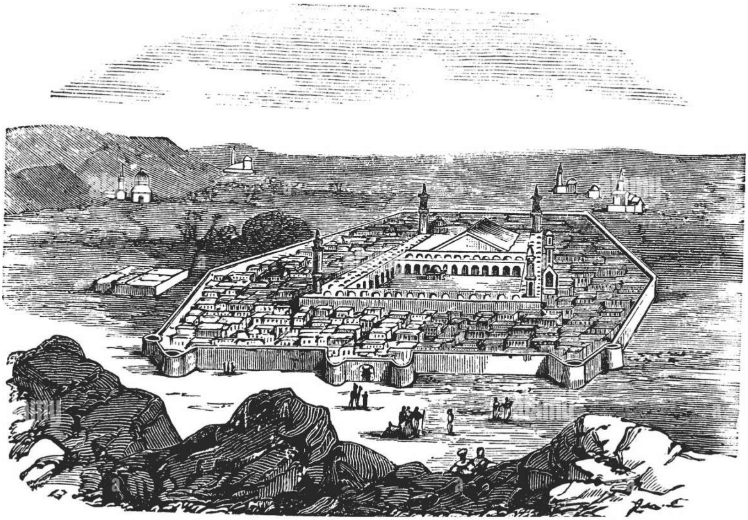

ذکرِ حبیب کم نہیں، وصلِ حبیب سے

شہرِ محبوب مدینہ منورہ کی شہرہ آفاق تاریخ "وفاء الوفاء" کا

آسان اور ایمان افروز ترجمہ

تذکرہ دیارِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم

از قلم

امام الزاہدین حضرۃ مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی رحمہ اللہ تعالیٰ

چوتھی فصل

انصار کا مدینہ منورہ میں قیام اور یہودیوں پر غلبہ اور تبع شاہ یمن کے کچھ واقعات

شرقی نے کہا ہے کہ جب اوس اور خزرج کے قبیلے مدینہ منورہ آئے تو مدینہ منورہ کے بالائی اور نشیبی علاقہ میں آباد ہو گئے جن میں سے کوئی تو بنی اسرائیل کے ساتھ ان کی بستیوں میں آباد ہو گئے اور کچھ علیحدہ آباد ہو گئے نہ تو بنی اسرائیل سے ملے اور نہ ہی عربوں کے ساتھ الحاق کیا سرمایہ بنو اسرائیل کے پاس تھا جن کے بیس سے زیادہ قبیلے تھے جنہوں نے قصبات اور دیہات آباد کر لیے تھے اور ان کے لیے امام بنا لیے تھے اوس اور خزاج کچھ تو ان کے درمیان آباد ہو گئے اور کچھ ارد گرد آباد ہو گئے۔

اور ابن زبالہ نے اہل مدینہ کے عمر رسیدہ لوگوں سے نقل کیا ہے کہ اوس اور خزرج مدینہ میں آباد ہو گئے انہوں نے دیکھا کہ مال و دولت اور اطام اور باغات سب پر یہودی قابض ہیں۔ اس لئے کچھ زمانہ کے بعد اوس اور خزرج نے یہودیوں کے ساتھ ایک معاہدہ کر لیا کہ آپس میں ایک دوسرے کے معاون ہوں گے اور بیرنی حملہ آوروں کا مقابلہ کریں گے اسی حالت میں کافی وقت گزرنے کے بعد جب اوس وخزرج مالدار ہو گئے ان کی تعداد اور طاقت زیادہ ہو گئی تو یہودیوں کے قبیلے (بنوقریظہ اور بنونضیر) نے ان سے خطرہ محسوس کرتے ہوئے اس عہد کو توڑ دیا۔ بنوقریظہ اور بنونضیر کی تعداد زیادہ تھی ان کو کاہنان اور بنوالصریح بھی کہا جاتا تھا جیسا کہ ان کی تعریف کرتے ہوئے قیس بن حطیم نے کہا ہے ؎

(1) جب ہم پر کوئی قوم ظلم کرتی تھی تو کاہنان ہماری اولاد کے لئے اپنے گھوڑوں کو تیار کر دیتے تھے۔

(2)اور بذات خود ہماری حفاظت اور دل جوئی کرتے تھے، بنو الصریح تعداد میں زیادہ تھے اور باعزت لوگ تھے۔

اس عہد شکنی کے بعد اوس اور خزرج اپنے گھروں میں خوف زدہ رہتے تھے کہ کہیں ان کو یہودی جلاوطن نہ کردیں حتٰی کہ اوس اور خزرج نے مالک بن العملان کو اپنا سردار مقرر کرلیا۔ ادھر یہودیوں کا سربراہ فطیون نامی ایک بدکردار شخص تھا جس کی بداعمالی کی یہ حالت تھی کہ اوس اور خزرج میں سے کوئی بھی دلہن خاوند کے پاس جانے سے پہلے اس کے پاس بھیجی جاتی تھی اور وہ اس کے ساتھ منہ کالا کرتا تھا اسی مالک بن العملان کی بہن کی شادی اپنی اقوم کے ایک مرد کے ساتھ طے ہوئی مالک اپنی قوم میں بیٹھا ہوا تھا کہ اس کی بہن صرف ایک کپڑے میں باہر نکلی جسے مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگوں نے دیکھ لیا۔ یہ بے پردگی مالک برداشت نہ کرسکا گھر آکر بہن کو مارا اور برا بھلا کہا بہن نے کہا کہ کل تو اس سے زیادہ میری بے پردگی کی جائے گی۔ کہ مجھے خاوند سے پہلے ایک دوسرے آدمی کے حوالہ کردیا جائے گا اس کی ہم بستری کے بعد میں خاوند کے پاس آؤں گی۔ یہ سن کر مالک شام کو فطیون کے پاس گیا اور موقع پاکر اس کو قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد اس نے اور اس کی قوم نے شام کے اپنی برادری کے لوگوں کے پاس ایک وفد بھیجا جس نے ان کو اہل یثرب کے یہودیوں کے غلبہ کا ذکر کیا اس وفد کا قائد رحق بن زید بن امراء القیس تھا۔ جو کہ بدشکل ہونے کے باوجود بلیغ شاعر تھا۔ یہ ابوجبیلہ کے پاس گیا ابوجبیلہ جشم بن خزرج کی اولاد میں سے تھا جو کہ یثرب سے آکر شام میں آباد ہوگئی تھی۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ الوجبیلہ جفنہ بن عمرو بن عامر کی اولاد میں سے تھا جس نے شام میں حکومت قائم کرلی تھی (اور پہلے گزر چکا ہے کہ جفنہ کے بیٹے غسّان سے تھے اور شام میں ان کی حکومت تھی) اس کی

تائید ابن خرم کے اس قول سے ہوتی ہے کہ:

" خزرج کے بیٹے جُشم کے بیٹے کا نام غضب تھا اور غضب سے مالک پیدا ہوا اور مالک سے عبد حارثہ اور عبد حارثہ سے حبیب اور حبیب سے عبداللہ اور عبداللہ سے ابو جبیلہ (جو کہ غسّان کا بادشاہ تھا) پیدا ہوا اسی کو مالک بن عجلان نے یہودیوں کے قتل کرنے کے لیے طلب کیا تھا"۔

مرتب کتاب سمہودی فرماتے ہیں کہ ابن حزم کا یہ بیان درست نہیں جیسا کہ ابن حزم ہی کے حوالے سے پہلے گذر چکا ہے کہ خزرجی لوگوں میں سے کوئی بھی غسانی نہیں۔

بہرحال اس وفد نے شام کے حکمران لوگوں کو یہودیوں کے ظلم وستم کی ساری داستان سنائی اور وفد کے قائد رمق نے اشعار میں اپنی درد بھری حالت کو بیان کیا جس کو سُن کر بادشاہ نے تعجب کرتے ہوئے کہا کہ:۔

" بڑا پاکیزہ شہد خبیث برتن میں ہے"۔

یعنی تیری شکل تو بڑی مکروہ ہے مگر کلام تیرا بڑا ہی بلیغ ہے رمق نے جواب میں کہا بادشاہ! کسی انسان کی دو چیزوں کا احتیاج ہوتا ہے دل اور زبان جو سب اعضاء میں چھوٹے ہیں (میری شکل کو تو نہ دیکھ میرے کلام کو دیکھ کر میرے مقام کو سمجھ لے) بادشاہ نے کہا تو نے سچ کہا ہے چنانچہ ابو جبیلہ کافی تعداد میں فوج لے کر اوس اور خزرج کی امداد کے لیے روانہ ہو گیا (یہ سارا بیان ابن زبالہ کا ہے)

مگر رزین نے الشرقی سے یہ نقل کیا ہے کہ:۔

کہ مالک بن العجلان نے وفد نہیں بھیجا بلکہ خود شام گیا تھا۔ اور فطیون کے وہ اعمال

یثرب میں رہنے والے دوسرے لوگوں کے ساتھ تو تھے مگر اوس اور خزرج پہلے اس کی اس حرکت سے محفوظ تھے لیکن اس نے چاہا کہ ان کی عورتوں کو بھی اپنی ہوس کا نشانہ بنائے تو فطیون کو قتل کر ڈالا۔ شرقی نے کہا کہ جب اوس اور خزرج یثرب میں آ کر آباد ہو گئے تو فطیون نے ان میں اپنے اس فعل بد کو رائج کرنے کی ابتدا دیوں کرنی چاہیے کہ جب مالک کی بہن کی شادی قبیلہ بنو سلیم کے ایک مرد سے ہونی قرار پائی تو فطیوں نے ایک قاصد اس کے پاس بھیجا جبکہ مالک گھر موجود نہ تھا اس کا پیغام سن کر اس کی بہن اسے تلاش کرنے کے لیے باہر نکلی تو اپنے بھائی کو ایک مجلس میں بیٹھا ہوا پایا اور اسے آواز دی تو مالک نے غصے میں اسے آ کر یوں کہا کہ تو بلا پردہ آ کر مجھے یوں پکار رہی ہے تجھے شرم نہیں آتی بہن نے جواب میں کہا جس بات کا میرے ساتھ ارادہ کیا جا رہا ہے وہ اس سے بہت بڑی ہے (فطیون کا ارادہ) مالک نے اسے کہا میں تیری طرف سے اس کے لیے کافی ہوں گا۔ بہن نے پوچھا تو کیا طریقہ اختیار کرے گا بھائی نے کہا کہ میں بھی تیرے ساتھ زنانہ لباس پہن کر اس کے پاس جاؤں گا اور اندر جا کر اس کو قتل کر دوں گا چنانچہ ایسا ہی کیا اسے قتل کرنے کے بعد ابو جبیلہ کے پاس شام چلا گیا (اور یہ ابو جبیلہ بھی یثرب ہی سے شام گیا تھ) چنانچہ ابو جبلہ ایک بہت بڑا لشکر لے کر شام سے نکلا اور یہ ظاہر کیا کہ وہ یمن جا رہا ہے اور اپنے ساتھ مالک کو پوشیدہ رکھا۔ مدینہ منورہ کے قریب ذی خرص کے مقام پر پڑاؤ کیا اور اوس وخزرج کو پہلے طلب کیا کہ شام کا بادشاہ انعام واکرام دے رہا ہے۔ ان کو انعام دے کر پھر یہودیوں کو طلب کیا اور ان کے لیے کھانا تیار کرایا جب وہ کھانے کے لیے بیٹھے تو سب کو قتل کر ڈالا اس کے بعد اوس وخزرج ہی یثرب کے مالک بن گئے اسی حسن تدبیر کی مدح سرائی کرتے ہوئے بلوی شاعر نے یہ کہا۔

(1) جو میں کہہ رہا ہوں اس کو بلوی خاندان اور بنو سالم میں سے ایک جماعت سن لے۔

(2) بے شک فطیون کے لیے تمہاری عورتوں کا بے پردہ کرنا قسمت کی بات تھی حاکم کا حکم نہ تھا

(3) تا آنکہ مالک نے اس کو دلہن کے بدلے میں گہرے لال رنگ (خون) کی دلہن عطا کر دی (قتل کر ڈالا) اس کے بعد چند وہ اشعار پڑھے جو ابو یزید خزرجی نے ابوجبیلہ کی تعریف میں کہے تھے اور ابن زبالہ نے ان اشعار کو رمق کی طرف نسبت کرتے ہوئے کہا ہے کہ:۔

"جب ابوجبیلہ ان کی مدد کے لیے آیا تو اس کو اوس اور خزرج نے کہا اگر یہودیوں کو تیرے آنے کا علم ہو گیا تو یہ لوگ اپنے قلعہ نما برجوں میں پناہ لے لیں گے اور تیری گرفت سے اپنے آپ کو بچا لیں گے اس لیے تو ان کے ساتھ نرمی اور رواداری کا برتاؤ کرنا تاکہ وہ بے فکر ہو جائیں پھر ان کو اپنی گرفت میں لے لینا"۔

چنانچہ ابوجبیلہ نے ان کے لیے کھانا تیار کیا اور ان کے سرکردہ لوگوں کو دعوت دی جس پر وہ سارے کے سارے نہ صرف خود آئے بلکہ اپنے ساتھ اپنی اولاد اور ملازموں تک کو لے کر آ گئے تاکہ ان کو بھی انعام سے نوازا جائے۔ ابوجبیلہ نے ان کے لیے ایک محفوظ جگہ اس طرح بنائی کہ اس میں چند آدمی پہلے سے بٹھا دیئے تاکہ جب وہ اندر آئیں ان کو قتل کر دیا جائے چنانچہ ان کے ساتھ وہی برتاؤ کیا گیا ان کے قتل کے بعد اوس اور خزرج کا مدینہ میں غلبہ ہو گیا اور یہودیوں کی سب جائداد پر قبضہ کر لیا، تو رمق شاعر نے ابوجبیلہ کی تعریف میں کہ:۔

تو نے اپنا بدلہ ان حسین عورتوں سے نہ لیا تھا۔ جس کی وجہ سے تجھے اور ہمیں تکلیف پہنچی۔

تو نے پوری ہمت کے ساتھ ان کو محفوظ کر لیا جس کی تکلیف ہم سب کو پہنچی تھی۔

اور رزین کی روایت میں رمق کے مندرجہ ذیل وہ اشعار بھی ہیں جن میں اس نے ابو جبیلہ کی مدح سرائی کی ہے:۔

وہ بھڑکنے اور چمکتے لباسوں میں نمودار ہونے والی
جیسا کہ صحرائی ہرن ہوں۔ ان کا یہ پورا لباس ہے
باریک اور موٹے ریشم کا لباس ان کا زیب تن ہے
اور کانوں میں بالیاں اور پاؤں میں پازیب سے مزین ہیں
اور ابو جبیلہ زمین پر چلنے والوں میں سے بہترین بہادر ہے۔
اور اپنے عہد و پیمان کا پورا کرنے والا ہے
اُن گھوڑے سواروں کا قائد ہے جو بہادری میں خصوصی نشان رکھتے ہیں
ان بہادروں نے جنگ میں کامیابی کے ساتھ
ہماری شان اور عزت کو باقی رکھا
اور زوراء کا میدان ان ظالموں کی لاشوں سے بھرا پڑا ہے۔

اور بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ جب مالک نے فطیون کو قتل کر دیا تو تبع اصغر کے پاس آ کر فطیون کا سارا ماجرا اس کو سنایا جس کو سن کر تبع نے قسم کھائی کہ وہ نہ تو بیوی کے قریب جائے گا اور نہ خوشبو لگائے گا اور نہ ہی شراب پیئے گا جب تک کہ یثرب جا کر وہاں کے سب

یہودیوں کو تہ تیغ نہ کرے گا۔

اور ابن قتیبہ نے اپنی کتاب معارف میں اس تبع کا نام یہ لکھا ہے تبع بن حسان جو کہ تبع خاندان کا آخری فرمان روا تھا یہ شام گیا تو وہاں کے غسانی سلاطین نے اس کی اطاعت تسلیم کر لی پھر یہ اپنے چچا زاد بھائی کے پاس پہنچا جو کہ ھجر کے ایک علاقے میں مقیم تھا تو یہاں پر اس کے پاس کچھ لوگ یثرب سے آئے جنہوں نے یہودیوں کے ساتھ عہد و پیمان کیا تھا مگر یہودیوں نے ان شرط کو پس پشت ڈال کر ان لوگوں پر بڑے ظلم کئے ان لوگوں نے تبع کو اپنی قرابت داری کا واسطہ دے کر اپنی مدد کی درخواست کی جس سے تبع کو غصہ آ گیا اور ان کا انتقام لینے کے لیے یثرب روانہ ہو گیا اور وہاں پہنچ کر احد پہاڑ کے دامن میں ڈیرہ ڈال دیا اور یہودیوں کے سرکردہ ساڑھے تین سو آدمی قتل کر ڈالے اور مدینہ منورہ کی توڑ پھوڑ کا بھی ارادہ کر لیا تو اس کے پاس ایک یہودی آیا جس کی عمر اڑھائی سو سال تھی۔اس نے یہ کہا:۔

" اے بادشاہ تجھ جیسا آدمی غضبناک ہو کر قتل نہیں کیا کرتا اور تیری شان اس سے بڑی ہے کہ تجھ پر بجلی کی چمک پڑے۔ یا تیری طرف خوشامدی بڑے تو اس بستی کو برباد نہیں کر سکتا۔ بادشاہ نے کہا کیوں؟ تو اس بوڑھے یہودی نے کہا اس لیے کہ یہ بستی اس نبی (علیہ السلام) کی ہجرت گاہ ہے جو اولاد اسماعیل علیہ السلام میں سے ہو گا اور وہ نبی علیہ السلام بیت الحرام میں مبعوث گا"۔

تبع یہ بات سن کر اپنے اس ارادہ سے رک گیا اور اس یہودی اور اس کے ساتھ ایک دوسرے یہودی عالم کو لے کر مکہ مکرمہ آیا اور بیت اللہ پر غلاف چڑھا کر واپس یمن چلا گیا اور یہ دونوں یہودی عالم بھی اس کے ساتھ چلے گئے۔اس بادشاہ نے ان کا دین قبول کر لیا اور موسیٰ

علیہ السلام پر ایمان لے آیا۔

(ف از مترجم)۔شاید اسی لیے سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبع کو برا بھلا کہنے سے روکا اور یہ تبع سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے سات سو سال پہلے گزرا ہے۔ (سیرت الرسول صلی اللہ علیہ وسلم از شیخ عبداللہ بن شیخ محمد بن عبداللہ

علامہ سمہودی نے ان روایات میں یوں تطبیق فرمائی ہے کہ:۔

"ہوسکتا ہے کہ جب مالک بن العجلان عنسانی بادشاہ سے امداد طلب کرنے کے لیے گیا ہوتو وہاں تبع شاہ مین بھی موجود تو اور دونوں نے اس کی مدد کی ہو اس لیے کچھ لوگوں نے اس واقعہ کو تبع کی طرف نسبت کر دیا ہو اور کچھ لوگوں نے ابوجبیلہ عنسانی کی طرف نسبت کر دیا ہو"

اس واقعہ کے بعد یہودیوں نے مالک بن العجلان کے لیے اپنے عبادت خانوں میں بد دعائیں کیں جب مالک کو یہ اطلاع ملی تو اس نے یہ کہا ۔

(1) یہودیوں نے لعنت کرنے میں ایک دوسرے کی اس طرح مرد کی حیرت گدھے خارش کرتے وقت ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔

(2) ان کی اس لعنت کی مجھے کوئی پروانہیں۔اور مصائب ہمیشہ ذلیل لوگوں پر ہی پڑتی ہیں۔

اور سارہ فرظیہ نے مندرجہ ذیل مرثیہ پڑھا ان لوگوں کے بارہ میں جو بنوقریظہ میں سے قتل کئے گئے تھے۔

(1) میری قوم کے بوڑھے لوگوں نے ذی حرض کے مقام پر کچھ نہ کیا اُن کو ہوا اڑا کر لے گئی۔

(2) بنو قریظہ میں سے چند بوڑھوں کو خزرجیوں کی تلواروں اور نیزوں نے ہلاک کر ڈالا۔

(3) اگر حملہ آوروں کی اطلاع پہلے سے مل جاتی تو ان کے مقابلہ کے لیے بڑے بہادر گروہ نکل آتے

علماء سیر نے کہا ہے کہ پھر ابو جبیلہ شام کو واپس چلا گیا اور حجاز کو اوس وخزرج کے لیے فتح کر گیا۔ اور مجد مورخ نے یاقوت سے یہ نقل کیا ہے کہ تبع مدینہ میں موجودہ تھا اور یہ بھی کہا ہے کہ یاقوت نے دلہنوں کے ساتھ ہم بستری کے واقعہ کو بجائے یثرب کے یمامہ میں رونما ہونے والا قرار دیا ہے جس کو اہل یثرب نے تبع کی معیت میں یمامہ جا کر اس ذلت کو مٹایا۔ مجد نے یاقوت کا کلام یوں نقل کیا ہے کہ:۔

" یہ ذلت آمیز طریقہ اہل یمامہ میں تھا تو اہل یمامہ نے ایک حیلہ کے ذریعہ اس بدکار کو قتل کر دیا ان میں سے ایک شخص یثرب سے آکر تبع سے امداد کا طالب ہوا تو تبع نے اہل یثرب کی مدد سے انکی مدد کی"۔

مگر یہ بات درست نہیں ہم اس کو صرف مجد کے حوالے سے نقل کر رہے ہیں یاقوت نے کہا ہے کہ:۔

حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے طسم اور جدِیس یمامہ میں آباد ہو گئے کچھ زمانہ بعد طسمی خاندان کا ایک فرد عملیق ان پر حکمران ہو گیا جو بڑا ظالم تھا قبیلہ جدِیس میں سے ایک میاں بیوی کا آپس میں جھگڑا تھا جس کا فیصلہ اس نے خاوند کے حق میں کر دیا جس سے برہم ہو کر اس عورت نے اس حکمران کی مذمت میں چند اشعار کہہ ڈالے جب اسے علم ہوا تو اس نے

حکم دیا کہ قبیلہ جدِیس کی جس عورت کی شادی ہو وہ خاوند کے ہاں جانے سے پہلے میرے پاس لائی جائے تا کہ اس کے ساتھ پہلے یہ جماع کرے چنانچہ قبیلہ جدِیس کے لوگوں کو اس کی طرف سے بڑی ذلت پہنچی یہاں تک کہ جدلیس کے سردار اسود بن غفار کی بہن کی شادی آ پہنچی۔ شب عروسی کو اسے پہلے عملیق کے پاس اس طرح لے جایا گیا کہ اس کے ارد گرد چند گانے والیاں یہ گا رہی تھیں:۔

(1) عملیق کی طرف اُٹھ اور سوار ہو جا صبح ہونے سے پہلے ایک عجیب کام کا انتظار کر

(2) عنقریب تجھے ایک ایسے کام کا سامنا کرنا پڑے گا جو تو نہیں چاہتی مگر کنواری عورت کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔

پھر اسے عملیق کے پاس پہنچا گیا مگر یہ عورت بڑی طاقتور تھی اس کو اپنے پاس آنے نہ دیا تو اس نے شرم سے بچنے کے لیے اس کے اندام نہانی میں لوہے کے ایک آلہ سے ایسا زخم کر دیا جس سے وہ لہولہان ہو گئی ادھر اس نے اپنے پیچھے سے اپنا کپڑا بھی پھاڑ ڈالا جب کہ خون بہہ رہا تھا اور روتے روتے اس مجلس کے قریب جا پہنچی جہاں اس کا بھائی بھی بیٹھا ہوا تھا اس نے مندرجہ ذیل شعر کہا

" قبیلہ جدِیس سے بڑھ کر کوئی ذلیل نہیں، کیا دلہن کے ساتھ یوں کیا جا سکتا ہے؟"

اس کے بعد مندرجہ ذیل اشعار پڑھے جس کو سن کہ اس کے بھائی کو بہت زیادہ غصہ آ گیا (ترجمہ اشعار):۔

(1) کیا یہ بات اچھی ہے کہ تمہاری نوجوان لڑکیوں کے ساتھ یوں کیا جائے جب کہ تم ریت کے ذرات سے بھی زیادہ تعداد میں ہو۔

(2) کیا یہ بات اچھی ہے کہ تمہاری لڑکیاں شب زفاف کسی دوسرے مرد کے پاس گزاریں۔

(3) پس اگر اس کے بعد بھی تم کو غصہ نہ آئے تو تم عورتیں بن جاؤ۔

(4) پھر دلہن کا لباس پہن لو کیونکہ تم ان ہی کپڑوں اور غسل کے لیے پیدا کئے گئے ہو۔

(5) اگر ہم مرد ہوتیں اور تم عورتیں ہوتے تو ہم ایسی ذلت ہرگز گوارا نہ کر سکتے۔

(6) پس عزت کی موت مرو یا اپنے دشمن کو مار ڈالو اور خشک لکڑی کو جلانے والی آگ کی طرح حملہ کر دو۔

(7) ورنہ اس وطن سے کوچ کر کے کسی غیر آباد جگہ چلے جاؤ (گم نام ہو جاؤ)

(8) اس لیے کہ موت ذلت کی زندگی سے بہتر ہے اور غربت محتاجی کی زندگی سے بہتر ہے۔

(9) پس تم سب اس بدکار کی طرف اٹھو، نیزے بھالے اور نئی صیقل شدہ تلواروں کے ساتھ۔

(10) اے میری قوم جنگ سے نہ گھبراؤ مردوں کے مقابلہ میں تو مرد ہی نکلتے ہیں۔

(11) پس اس جنگ میں ہر بزدل، کمینہ ہلاک ہو جائے گا اور بہادر اور شریف سلامت رہے گا۔

یہ اشعار سن کو جدیسی سب کے سب غصے سے بھر گئے اور شرم کی وجہ سے سروں کو جھکا لیا اور اس بات میں مشورہ کیا اسود نے کہا کہ میری رائے پر عمل کرو، میری رائے ہے کہ اس بادشاہ کی اور اس کے وزراء کی دعوت کی جائے جب یہ کھانے پر بیٹھیں تو میں بادشاہ کو قتل کر

ڈالوں گا اور تم میں سے ہر ایک اس کے سرداروں کو قتل کر ڈالے مگر اسود کی بہن نے اس طرح دھوکہ کے ساتھ قتل کرنے سے منع کیا اور یہ کہا کہ ہوسکتا ہے اس مکر و فریب کے بغیر ہی اللہ تعالیٰ سے ان کے خلاف تمہاری مدد فرماتے اس لیے کہ وہ ظالم ہیں مگر جدیسیوں نے اس کی بات نہ مانی تو اس نے یہ اشعار کہے (ترجمہ):۔

(1) دھوکہ بازی سے ہرگز کام نہ لینا ۔ دھوکہ دھوکہ ہی ہوتا ہے خواہ وہ چھوٹا ہو

(2) مجھے خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ کل تمہارے ساتھ بھی یہی برتاؤ نہ کیا جائے اور ایسے کاموں کے لیے اور تدابیر بھی ہوسکتی ہیں۔

(۳) جنگ کی آگ بھڑکا دو، تم سارے کے سارے بہادر ہو، مجھے تمہاری کامیابی کی امید ہے۔

یہ اشعار سن کر اسود نے بہن کو جواباً کہا (ترجمہ):۔

(1) یہ بات بہت دور ہے کہ ہم پر کوئی ظالم حملہ کرے اور وہ بچ نکلے۔

(2) تیری زندگی کی قسم ہم اس کا مقابلہ کریں گے جس کی کامیابی کا ہمیں یقین ہوگا۔

(3) بے شک میں بطسم کا مقابل ہوں اور اسے ضرب لگاؤں گا جو ریڑھ کی ہڈی کو توڑ دے گی۔

چنانچہ اسود نے ان کی دعوت کی اور اپنی قوم سے کہا کہ ننگی تلواریں ریت میں دبا رکھو، جب بادشاہ اور اس کے وزراء کھانے کے لیے بیٹھیں تو حملہ کردو۔ چنانچہ جدِیسیوں نے ان پر یکبارگی اس طرح حملہ کر دیا کہ سارے کے سارے قتل کر دیئے گئے مگر ایک آدمی ان میں سے

بچ نکلا جس نے تبع (تبان اسد بن کلیکرب) سے امداد طلب کی جو کہ اس وقت مدینہ میں تھا اپنی امداد کے لیے چند اشعار پڑھے جن میں جدیس کی دھوکہ بازی کا ذکر تھا تبع نے اعانت کا وعدہ تو کر دیا مگر عملی طور پر قدم نہ اٹھایا تو اس نے پھر چند اشعار کہے جن میں سے دو یہ ہیں (ترجمہ):۔

" میں نے اپنے ظلم وستم کے لیے آل حسان سے مدد طلب کی ہے جو شرافت کا خاندان ہے جن کے لطف وکرم سب پر ہیں اور وہ اپنے احسانات کو خاندان تک محدود نہیں رکھتے"۔

یہ سن کر تبع اپنی فوجوں کو لے کر مدینہ منورہ سے چل پڑا جب یمامہ ایک رات کے فاصلے پر رہ گیا تو اس طسمی نے کہا کہ اے بادشاہ آپ یہاں رک جائیں اس قبیلہ جدیس میں میری ایک بہن شادی شدہ ہے جسے زرقاء یمامہ کہا جاتا ہے وہ اس دور میں سب سے زیادہ دور کی چیزوں کو دیکھنے والی عورت ہے۔ اگر اس نے ہمیں دیکھ لیا تو ساری قوم کو خبر کر دے گی اور وہ پہنچ جائیں گے چنانچہ تبع وہیں رک گیا اور ایک آدمی کو قریبی پہاڑ پر چڑھ کر اہ یمامہ کی حالت دیکھنے کا حکم دیا۔ جب وہ آدمی پہاڑ پر چڑھا تو اس کے پاؤں میں کانٹا چبھ گیا جب وہ پاؤں سے کانٹا نکالنے کے لیے جھکا تو اس کو یمامہ نے دیکھ لیا اور اس کی آنکھیں نیلگوں تھیں اس نے اپنی قوم سے کہا کہ مجھے پہاڑ پر ایک جاسوس نظر آ رہا ہے لوگوں نے پوچھا وہ کیا کر رہا ہے یمامہ نے کہا یا تو اپنی جوتی کو مرمت کر رہا ہے اور یا دانتوں سے گوشت نوچ رہا ہے۔ مگر لوگوں نے اس کی بات نہ مانی۔ ادھر اس طسمی نے تبع سے کہا کہ اس کی نظر رات کو بہت تیز ہو جاتی ہے اس لیے آپ اپنے آدمیوں سے کہیں کہ پودوں کی ہری شاخیں کاٹ کر اپنے اردگرد رکھ لیں تا کہ وہ یمامہ ان کو اچھی طرح نہ دیکھ سکے اور اپنا سفر جاری رکھیں چنانچہ اس طریق کار کو اپنا کر وہ چلتے

چلتے رات کو یمامہ کے قریب پہنچے گئے، اس عورت نے ان کو دیکھو کر اپنی قوم سے کہا اے جدیس تمہاری طرف یا تو پودے آرہے ہیں اور یا قبیلہ حمیر کے گھوڑے سوار آرہے ہیں۔ مگر قوم نے پھر بھی اس کی بات کو تسلیم نہ کیا، صبح کو اچانک قبیلہ حمیر نے ان پر حملہ کردیا جس کی وجہ سے اسود تو اپنی قوم کے چند آدمیوں کے ساتھ قبیلہ بنوطی کی طرف بھاگ گیا اور اہل مدینہ نے یمامہ کے قلعوں کو فتح کرلیا صرف وہ قلعہ فتح نہ ہوسکا جس میں زرقا یمامہ محفوظ تھی بالآخر تبع نے اسے بھی فتح کرلیا اور پھر اس عورت سے پوچھا کہ تجھے ہمارے آنے کا کیسے علم ہوگیا تھا اس نے اس آدمی کا ذکر کیا جو پہاڑ پر چڑھا ہوا تھا اور اس نے اس کو دور سے دیکھ لیا تھا۔ تبع نے اس آدمی سے پوچھا تو اس نے اس کی تصدیق کردی، تبع نے اس عورت سے پوچھا کہ تیری نظر میں اس قدر تیزی کیسے آئی تو اس نے کہا کہ میں اثمد نامی پتھر کو پیس کر آنکھوں میں بطور سرمہ کے لگاتی ہوں جس سے مجھے یہ کمال حاصل ہوتا ہے تبع کے حکم سے اس کی آنکھوں کو کھولا گیا تو آنکھوں کی تمام رگیں اثمد سے پر تھیں تبع نے یمامہ کے لوگوں کا قتل عام کیا اور پھر مدینہ منورہ لوٹ آیا۔

یہ سارا مضمون مجد مورخ نے یاقوت سے نقل کیا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ دونوں قصے علیحدہ علیحدہ اوقات میں ہوئے ہوں مگر یہ بات ظاہر ہے کہ یمامہ کا یہ واقعہ مدینہ منورہ کے سابقہ واقعہ کے بعد ہوا ہے۔

رزین مورخ نے اشرفی سے نقل کیا ہے کہ ابوجبیلہ اہل مدینہ کی مدد کے بعد شام واپس چلا گیا مگر اس کے بعد وہ تبع جو کہ حمیر میں سے آخری تبع تھا (جس کا نام کرب بن حسان بن اسعد تھا)، وہ اپنے سابقہ بادشاہوں کی طرح مشرق کا دورہ کرنے نکلا۔ مدینہ منورہ میں اپنے بیٹے کو اپنا نائب بنا کر خود شام سے ہوتا ہوا عراق چلا گیا ادھر اس کے بیٹے کو دھوکہ کے ساتھ قتل کردیا

گیا جب عراق میں تبع کو اس کی اطلاع ملی تو وہ بدلہ کے لیے مدینہ منورہ آیا۔ اور احد پہاڑ کے دامن میں ڈیرہ ڈال دیا۔ اور پانی کے لیے ایک کنواں کھودا اور اہل مدینہ کے شرفاء کو اپنے ہاں بلا بھیجا جس کے بارہ میں اہل مدینہ میں بعض نے کہا کہ یہ ہم کو اپنی قوم پر حکومت کا حق دینے کے لیے آیا ہے مگر احیحہ نامی کاہن نے کہا بخدا یہ نیک نیتی سے نہیں آیا (احیحہ کاہن کو ایک جن بعض خبریں دیا کرتا تھا) مگر اہل مدینہ اس کی ملاقات کے لیے مدینہ سے باہر نکلے اور احیحہ بھی گانے والیوں اور شراب اور خیمہ کو لے کر نکلا، خیمہ لگا کر تبع کے ساتھ ملاقات کے لیے گیا تو اس نے محسوس کرلیا کہ تبع کی آمد خیر کے لیے نہیں۔ تھوڑی دیر بات چیت کے بعد یہ کہہ کر واپس آیا کہ میرے ساتھی ظہر تک آپ کے پاس آنے والے ہیں خیمہ میں آکر شراب پی اور گانے والے وہ اشعار گائے جو احیحہ نے اس کے تعریف میں کہے تھے (جن کا ترجمہ درج ذیل ہے):۔

(1) چاہے کہ مجھے گانے والی اور اس کا بناؤ سنگھار روئے اور مجھے قہوہ اور اس کے پینے والے روئیں۔

(2) اور چاھے کہ مجھے ساری جماعت اس وقت روئے جب وہ اکٹھی ہوگی کیونکہ اس کو اپنے انجام کی خبر نہیں۔

ابھی اس نے تھوڑی سی شراب پی تھی کہ اس کے ساتھی رات میں جلدی ہی اس کے پاس آگئے۔ ادھر تبع نے ان کے لیے کھانا تیار کروایا اور اہل مدینہ کو بلایا مگر احیحہ نے اس کو سمجھ لیا ہے کہ ان کو قتل کرنے کے لیے بلایا جارہا ہے تو خود واپس گھر آکر اپنے قلعہ میں محصور ہو گیا اور لونڈی سے کہہ دیا کہ اگر مجھے بلایا تو پہلے یہ کہنا کہ وہ سویا ہوا ہے، اور پھر اگر اصرار کیا تو یہ کہنا

کہ وہ چلا گیا ہے میں حاضر ہوں میرے ساتھ جو سلوک کرنا چاہو کر سکتے ہو جب تبع کو اس کا علم ہوا تو اس کے قلعے کا تین دن محاصرہ رکھا۔ دن کو تو احیحہ تبع کے آدمیوں پر تیر اندازی کرتا اور رات کو کھجوریں پھینک دیتا کہ یہ تمہاری مہمانی ہے۔ تبع کو اس حالت کی اطلاع دی گئی تو اس نے اس کے باغات جلانے اور اجاڑنے کا حکم دے دیا۔ اس طرح جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے اور اہل مدینہ نے اپنے اپنے قلعوں میں پناہ لے لی۔ اسی اثنا میں تبع کا ایک آدمی قبیلہ بنو عدی بن بخار کے ایک باغ میں گیا اور ایک کھجور پر چڑھ کر ایک خوشے کو کاٹنا شروع کیا کہ باغ کے مالک نے اس کو دیکھا اور اسے قتل کر کے کنویں میں پھنک دیا اور یہ شعر پڑھا ؎

" یہ آدمی ہمارے پودے کاٹنے آیا تھا۔ حالانکہ خوشوں کا کاٹنا اور توڑنا تو اس کا حق ہے جو ان کو لگائے"۔

اس کے قتل سے تبع کا غصہ اور بھڑک اٹھا اور اس نے قبیلہ بنو البخار کو سزا دینے کے لئے ایک گروہ بھیجا مگر بنو البخار نے اپنے رئیس عمرو بن طلحہ کی زیر ہدایت نے ان کا خوب مقابلہ کیا ادھر تبع کی فوج نے انصار کے قلعہ پر بہت تیر اندازی کی جن کی نشانات اسلام کی آمد تک پائے جاتے تھے۔ چونکہ اس لڑائی میں تبع کا گھوڑا بھی ہلاک ہو چکا تھا اس لیے اس نے قسم کھائی کہ مدینہ کو تاراج کرنے سے پہلے واپس نہ جائے گا۔ جب اس کے اس ارادہ کا یہودی علماء کو علم ہوا تو اس کے پاس جا کر انہوں نے یہ کہا:۔

" اے بادشاہ اس بستی کا نام توراۃ میں طیبہ ہے اور یہ بستی اولاد اسماعیل علیہ السلام میں سے مبعوث ہونے والے نبی کی ہجرت گاہ ہے جو کہ حرم میں مبعوث ہو گا اور یہاں تشریف لا کر قیام فرما ہو گا۔ اس لئے تو اس بستی پر ہرگز غالب نہ آسکے گا"۔

تبع کو یہ بات پسند آئی اور اپنے ارادہ سے باز آ گیا اور اہل مدینہ سے بیعت لے لی۔ جو کنواں تبع نے کھودایا تھا اس کا پانی اس قدر و بازدہ ہوگیا کہ تبع بھی اس کو پینے سے بیمار پڑ گیا اس کے پاس قبیلہ بنی زریق نے ایک عورت جس کا نام فکھہ تھا۔ رومہ نامی کنویں سے پانی کا ایک مشکیزہ لائی جب اس نے یہ پانی پیا تو اس کو بہت لذیز معلوم ہوا اور وہ تندرست ہو گیا، وطن جاتے ہوئے اپنی ہر چیز اس عورت کو دے گیا جس سے اس کی مالی حالت بہت بہتر ہو گئی۔ جب وہ واپس جانے لگا تو اپنے ساتھ دو یا تین علماء یہود کو اس لیے لے لیا کہ راستہ میں اسے تورات کی تعلیمات اور سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارات سناتے رہیں یہاں تک وہ اسی طرح یمن جا پہنچے اس طریقہ پر یہودیوں کے داخلہ کی یمن میں ابتداء ہوئی۔ اسی سفر میں کعبہ شریف کے خلاف کا واقعہ بھی نمودار ہوا (کعبہ شریفہ کو غلاف پہنایا)

ان روایات پر علامہ سمہودیؒ نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ:۔

" کہ ہم نے سابقہ روایات میں یہ ذکر کیا ہے کہ مالک بن عجلان یہودیوں کے بادشاہ کو قتل کرنے کے بعد تبع اصغر کی ملاقات کے لیے یمن پہنچا کیونکہ اسی نے یہودیوں کے مقابلہ میں ان کی مدد کی تھی اور شاید یاقوت مورخ نے تبع کے مدینہ میں آنے سے یہی مراد لی ہو۔ مگر مسجد مورخ نے ابن اسحق کی کتاب المبتداء سے نقل کیا ہے کہ ابو ایوب انصاری کے اس مکان کے متعلق جس میں سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نزول اجلال فرمایا تھا یہ نقل کیا ہے کہ یہ مکان تبع اول نے مدینہ منورہ سے گزرتے وقت بنایا تھا اور اس کا نام تبان اسعد بن کللیکرب تھا، اس کے ساتھ چار سو علماء تھے جنہوں نے مدینہ منورہ ہی میں قیام کا فیصلہ کرلیا، تبع نے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا کہ ہماری دینی کتابوں میں یہ ہے کہ ایک نبی جن کا نام نامی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے وہ مبعوث ہوں گے اور یہاں ہجرت کر کے تشریف لائیں گے ہم اسی لیے

یہاں قیام کریں گے شاید ہمارے زمانہ میں آپ تشریف لے آئیں۔ تبع نے بھی ان کے ساتھ اقامت کا ارادہ کرلیا اور ان علماء میں سے ہر ایک کے لیے ایک ایک مکان بنا کر ایک ایک لونڈی سے ان کا نکاح کردیا اور ان کو کافی مال دے کر ان کو ایک تحریر دی جس میں اپنے اسلام لانے کا اعتراف کیا اسی خط میں مندرجہ ذیل اشعار بھی ہیں:۔

(1) میں گواہی دیتا ہوں کہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول ہیں۔

(2) اگر مجھے عمر دراز ملی تو میں ان کے بوجھ اٹھانے والا اور ان کا چچازاد بن جاؤں گا۔

اس خط کو سونے کے ساتھ مہر کر کے ان علماء کے سردار کے حوالے کردیا اور اس سے یہ کہا کہ اگر اس کو سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوگیا تو ان کی خدمت میں پیش کردے ورنہ اپنی اولاد در اولاد کو یہ وصیت کرتے ہوئے یہ خط اس کے حوالے کرتے رہیں اور سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی ایک مکان تیار کرادیا وہی گھر یکے بعد دیگرے ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو ملا جو کہ اسی عالم کی اولاد میں سے تھے بلکہ انصار مدینہ سب کے سب ان ہی علماء کی اولاد میں سے تھے"۔

(یہ تو مجد مورخ کا وہ بیان ہے جو اس نے المبتداء کتاب سے نقل کیا ہے۔

دوسرے مورخوں نے یہ کہا ہے کہ وہ خط ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس تھا جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے حضور کی خدمت میں پیش کردیا (اگرچہ یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے)، مگر تاریخ اور حدیث کی تمام کتابیں سابقہ بیان پر تقریباً متفق ہیں جیسا کہ سہیلی نے بھی تبع کے ایمان لانے اور ان پر دو اشعار کا ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی یہ حدیث بھی نقل کی ہے کہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:۔

"تبع کو برا نہ کہو وہ ایمان لا چکا تھا"

اور عبدالرزاق نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد وہب بن منبہ نے روایت کیا ہے کہ اس کا نام سعد تھا اور وہ دین ابراہیمی پر تھا۔ امام احمد نے سہل بن سعد سے مرفوع روایت کی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" تبع کو برا نہ کہو وہ اسلام لا چکا تھا"۔ یہی بات امام طبرانی نے ابن عباس سے روایت کی ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ ابو ہریرہ سے ایک مرفوع روایت یوں آئی ہے کہ میں نہیں جانتا تبع ملعون تھا یا نہیں۔ تو آپ کا یہ ارشاد اس الہام سے پہلے تھا جس میں آپ کو تبع کے اسلام لانے کی اطلاع دی گئی ہے اور مرجانی نے کہا کہ ابو کرب بن سعد حمیری حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے سات سو سال پہلے ایمان لا چکا تھا۔

اور وہ دو شعر کہے تھے جن کا ذکر ہو چکا ہے۔ اور اس ابو کرب کے باپ اسعد نے بیت اللہ کو غلاف پہنایا تھا۔ رجانی نے یہ بات ابن قتیبہ سے نقل کی ہے اور معارف کے اس حوالہ کو علامہ سمہودی نے مطالعہ کیا ہے۔

تقریباً اسی طرح ابن زبالہ نے نقل کیا ہے کہ جب تبع مدینہ آیا اور اس کو تاراج کرنے کا ارادہ کیا تو بنو قریظہ کے دو علماء (جن کے نام سخیت اور منبہ تھے)۔ وہی پیغام دیا جو ذکر ہو چکا ہے جس پر تبع واپس چلا گیا۔ اور اہل مدینہ کے کچھ تعرض بھی نہ کیا۔

(ف) وہب بن منبہ مشہور تابعی ہیں، 34ھ میں یمن میں پیدا ہوئے۔ سات صحابہ کرام سے فیضیاب ہوئے، اہل کتاب کے حالات سے ان جیسا کوئی باخبر نہ تھا۔ سلاطین حمیر کے حالات پر ایک کتاب لکھی۔ زاہد شب بیدار تھے۔ کامل بیس سال تک عشاء کے وضو کے ساتھ نماز فجر ادا کی۔ 110ھج میں صنعاء میں وفات پائی۔ (تابعین ص503)

ابو ہریرہؓ اور دیگر جن چند صحابہ کرام سے آپ نے روایات کی ہیں وہ صحیفہ ہمام بن منبہ کے نام سے طبع ہو چکی ہیں۔

میرا باورچی خانہ

کھانا اور مختلف قسم کے پکوان اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہیں، اگر ان نعمتوں کو اچھی طرح پکایا جائے تو اس کا شکر بھی ادا ہو جاتا ہے۔ اور کھانے کی افادیت و لذت بھی دوبالا ہو جاتی ہے۔ اس لیے افادہ عام کے پیشِ نظر کچھ کھانوں کی تراکیب پیشِ خدمت ہیں۔

اُم ہانی

خاص ذائقہ سے بھرپور.... میکسیکن پکوان

ہمارے ہاں پاکستان میں اپنے روایتی کھانوں کے علاوہ دوسرے ممالک کے پکوان بھی خوب شوق سے بنائے اور کھائے جاتے ہیں۔ ان میں اٹالین، جاپانی، تھائی اور میکسیکن پکوان شامل ہیں۔ میکسیکن کھانے بہت پسند کیے جارہے ہیں۔ ان کھانوں کے باقاعدہ ریسٹورانٹ بنائے جاچکے ہیں۔ جبکہ یہ پکوان گھروں میں بھی بنائے جاسکتے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق میکسیکن پکوان نو ہزار سالوں سے بنائے جارہے ہیں۔ ان میں زیادہ تر میکسیکو میں پائے جانے والے اجزاء شامل ہوتے ہیں۔ ان میں سبزیوں کا استعمال بہت زیادہ کیا جاتا ہے، جو کہ ان کے ذائقہ کو خاص بناتا ہے۔ میکسیکن پکوانوں کی چند مزیدار تراکیب ملاحظہ کریں۔

میکسیکن ٹاکوز

اجزاء:

گائے کا قیمہ۔ آدھا کلو

تیل۔ حسبِ ضرورت

پیاز۔ دو کھانے کے چمچ

ادرک لہسن کا پیسٹ۔ ایک کھانے کا چمچ

ٹماٹو پیوری۔ دو کھانے کے چمچ

نمک۔ حسبِ ضرورت

ٹاکوز مصالحہ۔ایک چائے کا چمچ

شملہ مرچ۔تین کھانے کے چمچ

لال لوبیا۔تین کھانے کے چمچ

ہری مرچ۔ایک کھانے کا چمچ

ٹاکوز شیلز۔چار سے پانچ عدد

ترکیب:

چیڈر چیز، سار چیز، دھنیا اور نا کوز گارنش کے لیے۔تھوڑا سا تیل پین میں گرم لیں اور پھر پیاز شامل کر کے فرائی کرلیں۔پھر قیمہ، ادرک لہسن کا پیسٹ، ٹماٹو پیوری، نمک اور ٹاکوز مصالحے شامل کر کے اچھی طرح مکس کرلیں۔اب شملہ مرچ، لال لوبیا، ہری مرچیں شامل کر کے قیمہ اچھی طرح پکالیں۔پھر اس قیمہ کو ٹاکوز شیلز میں بھر کر تھوڑی سی چیڈر چیز اور سار چیز شامل کر کے ڈش کو اوون میں رکھ کر چیز کو پگھلالیں۔پھر دھنیا اور نا کوز سے گارنش کر کے رول کر کے سرو کریں۔

☆☆☆☆

میکسیکن سپائسی چکن قادسیلہ

اجزاء:

چکن۔1/2 کلو

پیاز۔4 ٹکڑے

بینگن۔4 ٹکڑے

پنیر۔1/2 کپ

پانی۔1/4 کپ

ٹورٹیلا۔8

ہرا دھنیا۔2 چائے کے چمچ

ہری مرچ۔5

لائم جوس۔1 چائے کا چمچ

تیل۔1 چائے کا چمچ

ترکیب:

بلینڈر میں لائم جوس، ہرا دھنیا، ہری مرچ، اور پانی ڈال کر بلینڈ کر لیں۔ایک پیالے میں چکن ڈال کر اس مصالحے کو ڈال دیں اور مکس کریں اور 4-5 گھنٹے تک میرینیٹ کر دیں۔چولہے پر گرل گرم کر لیں اور ہر پیس کو 3-4 منٹ سینک لیں ایک طرف سے، اب بینگن اور پیاز کو بھی تیل لگا کر نرم ہونے تک سینک لیں۔

ایک ڈش میں چار ٹورٹیلا رکھیں اور ہر ایک پر چکن، پنیر، اور پیاز، بینگن رکھیں۔باقی چار ٹورٹیلا کو اوپر کھ دیں اور ان چکن ٹورٹیلا سینڈوچ کو دونوں طرف سے اتنا گرل کریں کہ ٹورٹیلا نہ جلے لیکن پنیر پگھل جائے۔کریم اور مایونیز کے ساتھ سرو کریں۔

☆☆☆☆

میکسیکن پوٹیٹوز

اجزاء:

آلو۔آدھا کلو

پیاز۔ایک عدد

زیتون۔ چھ عدد

لال یا ہری مرچ۔ چھ عدد

لال مرچ۔ایک چائے کا چمچ پسی ہوئی

زیرہ۔ایک چائے کا چمچ

پیپریکا۔آدھا چائے کا چمچ

نمک۔آدھا چائے کا چمچ

دار چینی۔آدھا چائے کا چمچ پسی ہوئی

لہسن۔دو چائے کا چمچ

تیل۔چار کھانے کے چمچ

ترکیب:

چوکور کٹے آلو گرم پانی میں پانچ منٹ اُبال لیں۔اب تیل گرم کر کے اس میں پیاز اور لہسن دو منٹ پکا لیں۔پھر پسی لال مرچ، زیرہ، پیپریکا، نمک اور پسی دار چینی شامل کر دیں۔اس کے بعد آلو ڈال کر دس منٹ پکائیں۔آخر میں لال یا ہری مرچ اور زیتون شامل کر کے چولہا

بند کر دیں۔میکسیکن پوٹیٹوز سرو کرنے کے لیے تیار ہیں۔

پنجیری

پنجیری پاکستان میں موسم سرما کی ایک روایتی میٹھی ہے۔گندم کے پورے آٹے،گھی (واضح مکھن) اور گری دار میوے اور خشک میوہ جات کے آمیزے سے تیار کردہ یہ میٹھا صحت بخش میٹھا عام طور پر سردیوں کے مہینوں میں اور خاص طور پر عید الفطر اور عید الاضحی کے تہوار کے دنوں میں پیش کیا جاتا ہے۔۔

نہاری

نہاری ایک دھیمی پکائی ہوئی ڈش ہے جس میں بھرپور،نرم گوشت کا سٹو،بون میرو، اور مسالوں کا آمیزہ ہوتا ہے- یہ ایک حقیقی پاکستانی موسم سرما کا کرایہ ہے۔عام طور پر نان یا چاول کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے،یہ بھرپور،مسالہ دار ڈش سردیوں کے دوران پاکستانی گھرانوں کی اکثریت میں ایک اہم غذا ہے۔خیال کیا جاتا ہے کہ نہاری کی ابتدا 18 ویں صدی کے آس پاس مغل سلطنت کے شاہی کچن میں ہوئی تھی۔نہاری ایک دھیمی پکائی ہوئی ڈش ہے جس میں بھرپور،نرم گوشت کا سٹو،بون میرو،اور مسالوں کا آمیزہ ہوتا ہے- یہ ایک حقیقی پاکستانی موسم سرما کا کرایہ ہے۔عام طور پر نان یا چاول کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے،یہ بھرپور،مسالہ دار ڈش سردیوں کے دوران پاکستانی گھرانوں کی اکثریت میں ایک اہم غذا ہے۔

خیال کیا جاتا ہے کہ نہاری کی ابتدا 18 ویں صدی کے آس پاس مغل سلطنت کے

شاہی کچن میں ہوئی تھی۔ یہ ڈش شاہی باورچیوں نے شہنشاہ اور اس کے مہمانوں کے لیے ذائقے سے بھری غذا فراہم کرنے کے لیے بنائی تھی۔ نہاری نے جلد ہی برصغیر پاک و ہند میں اپنا راستہ بنایا، پاکستان، ہندوستان اور بنگلہ دیش میں مداحوں کو اکٹھا کیا۔

حلیم

حلیم ایک روایتی پاکستانی سست پکا ہوا دلیہ ہے جس میں گندم، دال اور گوشت، عام طور پر گائے کا گوشت یا بھیڑ کا گوشت ہوتا ہے۔ حلیم ایک لذیذ اور صحت بخش پکوان ہے جو سردیوں کے دوران اور پاکستان میں خاص مواقع پر، جیسے کہ رمضان اور عید کی تقریبات میں مختلف گھرانوں میں عام ہو چکی ہے۔ حلیم کو پکانے میں بڑی محنت، صبر اور مہارت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس بھرپور، کریمی ساخت کو حاصل کرنے کے لیے اجزاء کو گھنٹوں آہستہ سے پکانا چاہیے۔ مصالحوں کا مرکب عام طور پر حلیم کو ذائقہ دیتا ہے، جیسے زیرہ، دھنیا اور دارچینی۔ اسے گرم گرم پیش کیا جاتا ہے، کٹی ہوئی تازہ جڑی بوٹیاں، جیسے لال مرچ یا اجمودا، اور لیموں کا رس چھڑک کر گارنش کیا جاتا ہے۔ حلیم صحیح معنوں میں ایک آرام دہ اور غذائیت سے بھرا ہوا کھانا ہے، جو اسے پاکستان میں کھانا ایک خوشگوار چیز بناتا ہے۔

دودھ جلیبی

دودھ جلیبی ایک پرانی پاکستانی میٹھی ڈش ہے جو تھوڑا سا خمیر شدہ بیٹر (جلیبی) کے تلی ہوئی سرپلوں پر مشتمل ہوتی ہے جسے میٹھے، کریمی دودھ کے شربت (دودھ) میں غسل دیا

جاتا ہے۔ یہ روایتی مٹھائی پورے پاکستان میں ان تمام شادیوں، تہواروں اور خاص مواقع پر بہت مقبول ہو چکی ہے۔ دودھ جلیبی بنانے کے لیے دو قدمی طریقہ پر عمل کرنا ہوگا: پہلے جلیبی تیار کریں۔ ایک بلے باز آٹے، خمیر اور پانی سے بنا ہوتا ہے، اور اسے گرم جگہ پر اس وقت تک چھوڑ دیا جاتا ہے جب تک یہ خمیر نہ ہو جائے۔ اس کے بعد، اس بلے کو بہت گرم تیل میں ڈالا جاتا ہے، جہاں بھوننے پر، یہ کرکرا لیکن نرم سرپل بنتا ہے۔ دودھ (دودھ کا شربت)، دودھ پر مشتمل ہے جو چینی، الائچی اور زعفران میں گاڑھا ہو کر کریمی میٹھے شربت میں کم ہو جاتا ہے۔

ابلے ہوئے انڈے

ابلے ہوئے انڈے پاکستان میں موسم سرما کا ایک کلاسک کھانا ہیں۔ وہ نہ صرف ایک سادہ لیکن آرام دہ اور دلکش کھانا فراہم کرتے ہیں بلکہ وہ ایک آرام دہ کھانے کا حصہ بھی بن سکتے ہیں کیونکہ پاکستان میں موسم سرما لوگوں کو گرم، آرام دہ اور توانائی بخش کھانے کی خواہش کرتا ہے جو ان کے مدافعتی نظام کو بڑھانے میں مدد دیتے ہیں۔ پروٹین، وٹامنز اور معدنیات سے بھرپور، بہتے ہوئے ابلے ہوئے انڈے اس مقصد کے لیے بہترین لگتے ہیں۔ بہتے ہوئے ابلے ہوئے انڈے بنانا آسان ہے اور اس کے لیے صرف چند اجزاء اور کچھ بنیادی کھانا پکانے کی مہارت کی ضرورت ہوتی ہے۔

دیسی گھی کے ساتھ چوری

گھی میں چوری ایک روایتی پاکستانی موسم سرما کا کھانا ہے جس میں کرسپی فرائیڈ فلیکی

روٹی ہوتی ہے، جسے چوری کہتے ہیں، جسے عام طور پر بھرپور کریمی گھی میں پیش کیا جاتا ہے۔ یہ آرام دہ اور پر تعیش میٹھا موسم سرما میں بہت سے پاکستانی گھرانوں کو پسند کرتا ہے اور خاص طور پر تقریبات اور تہواروں کے دوران پیش کیا جاتا ہے۔

مچھلی اور سمندری خوراک

مچھلی پاکستان میں خاص طور پر سندھ اور بلوچستان کے ساحلی علاقوں میں ایک مقبول اور غذائیت سے بھرپور خوراک ہے۔ پاکستان کے پاس بحیرہ عرب کے ساتھ ایک طویل ساحل ہے جہاں تازہ مچھلی اور سمندری غذا وافر مقدار میں دستیاب ہے۔ پاکستان مچھلیوں کی مختلف اقسام کا گھر ہے، جن میں سے اکثر کو لذیذ سمجھا جاتا ہے۔ پاکستان کی سب سے مشہور مچھلیوں میں سے ایک Pomfret ہے جو اپنے نرم گوشت اور نازک ذائقے کے لیے مشہور ہے۔ ایک اور پسندیدہ میٹھے پانی کی مچھلی روہو ہے جو بڑے پیمانے پر دستیاب ہے اور اس کے ذائقے دار گوشت کے لیے قیمتی ہے۔ ہلسا بھی ایک مقبول انتخاب ہے، اس کے بھرپور ذائقے اور مضبوط ساخت نے اسے بہت سے پاکستانی گھرانوں میں ایک اہم مقام بنایا ہے۔ لہٰذا، مختصراً، پاکستان میں سردیوں کے کھانے کھانے کے لیے ایک حقیقی لذت ہیں- بھرپور، لذیذ، اور جسم اور روح کے لیے واقعی سکون بخش۔ چاہے یہ ایک اچھا گاڑھا سٹو ہو، میٹھا کھانا ہو، یا آرام دہ مشروب ہو،

....☆....